حصولِ توفیقات
سجاد عابدی

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

احکامِ الٰہی اقوالِ معصومین اور متبرک دُعاؤں کے توسُّط سے

الحاج سید اطہر سجاد عابدی

| | | |
|---|---|---|
| کتاب کا نام | : | حصول توفیقات |
| مصنف | : | الحاج سید اطہر سجاد عابدی |
| نظر ثانی | : | ڈاکٹر عراق رضا زیدی |
| ناشر | : | سید علی اطہر |
| کمپوزنگ | : | افراح کمپیوٹر سنٹر، D-15، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی |
| سرورق | : | گلیکسی کمپیوٹر، دریا گنج، نئی دہلی |
| طبع اول | : | اپریل 2010ء |
| تعداد | : | 350 |
| پریس | : | ایم۔ آر۔ پرنٹرز، دریا گنج |
| رابطہ | : | موبائل — 9212581786 |
| | | sas.abidi@rediffmail.com |

خط و کتابت

c/o سجاد لکھنوی

178/144 داروغہ برکت علی لین

نزد گلاب سینما، گولہ گنج۔ لکھنؤ۔ یو۔ پی

باسمه سبحانہ

# انتساب

مرحوم والدین کے نام

جن کی تربیت، شفقت اور مُسلسل دُعائیں

آج میری زندگی کا حسین ترین سرمایہ ہیں۔

احقر

سید اطہر سجاد عابدی عفی عنہ

# فہرست مضامین

بسمہ تعالیٰ

# حرف آغاز

انسان، فطری طور پر لذت پسند واقع ہوا ہے۔ اس کی زندگی کا ہر عمل شعوری یا لاشعوری طور پر اسی جذبہ کے ماتحت ہے۔ وہ تکلیف والم سے گریزاں ہے۔ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جو لذت سے خالی اور دکھ درد سے لبریز ہو۔ بڑی لذت کے حصول کے لیے چھوٹی چھوٹی لذتوں سے چشم پوشی سے بھی نہیں چوکتا یہی اس کی فطرت ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اکثر و بیشتر' مصداق کی تشخیص میں غلطی کر بیٹھتا ہے۔ زہر کو امرت، امرت کو زہر، لذت کو تکلیف اور تکلیف کو لذت سمجھ بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی موقع پر مخلص و آگاہ رہنماؤں کی ضرورت اور ان کے وجود کی نعمت کا احساس ہوتا ہے۔

ہماری زندگی کا المیہ یہ ہے کہ ہم عام طور سے صرف مادی لذتوں ہی سے واقف ہیں۔ اصل اور حقیقی لذتوں سے نا آشنا ہیں۔ ہماری نگاہوں میں لذتوں کا دایرۂ صرف زر، زن، زمین ہی تک محدود ہے۔ اسی لیے ہماری تمام کوششوں کا مرکز و محور بس یہی چیزیں ہیں اور ان ہی کے حصول کے لیے شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور چونکہ یہ لذتیں محدود ہیں اس لیے ان کے حصول میں ناکام رہ جانے کے باعث یا آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں ایک دوسرے کے ہاتھوں سے اسباب لذت اچک لینے کے لیے اپنے ہاتھوں کو معصوموں کے لہو سے آلودہ کرتے رہتے ہیں اور یا پھر مایوس ہو کر ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں، خودزنی و خودکشی پر اتر آتے ہیں۔ جبکہ اصل لذت معنوی لذت ہے، جو بے پایاں ہے لامحدود ہے، جو جس قدر چاہے حاصل کر سکتا ہے نہ کوئی مزاحمت ہے نہ مدافعت۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس لذت کا شاذ و نادر ہی احساس ہوتا ہے۔ اگر بھولے بھٹکے کبھی اس کے قریب جاتے بھی

ہیں تو مادی لذتوں کا وسیلہ سمجھ کر۔

علم ایک معنوی لذت ہے۔ ہمیں اپنی زندگی میں کبھی کبھی اس کا لطف محسوس بھی ہو جاتا ہے۔ جب کبھی کوئی علمی گتھی سلجھی ہے تو اس سے حاصل ہونے والے کیف و سرور کو نہ قلمبند کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی مادی لذت سے اس کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ زمانہ قدیم کے علماء کے واقعات میں اکثر یہ ملتا ہے کہ جب وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوتے تھے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی اسے حل کئے بغیر وہ بستر کا رخ نہیں کرتے تھے اور جب مشکل حل ہو جاتی تھی تو وہ رات کے سناٹے میں بام خانہ پر آ کر آواز دیتے تھے ''أين الملوك وأين افياء الملوك ؟'' کہاں ہیں شاہ اور شاہزادے آئیں اور وہ اس بوریہ نشیں فاقہ کش کے کیف و سرور کو دیکھیں جو انہیں محلوں میں حاصل نہیں ہے۔

ایک عظیم معنوی لذت یہ بھی ہے کہ کوئی عظیم شخصیت کسی معمولی انسان کو ہزاروں کے مجمع میں لائق خطاب سمجھ کر اس سے دو جملے گفتگو کر لے۔ جب تک زندہ رہے گا فخر سے بیان کرے گا مرنے کے بعد نسلیں فخر کریں گی۔ اور اس سے بھی بڑی لذت یہ ہے کہ اس معمولی انسان کو اس عظیم شخصیت سے گفتگو کی اجازت مل جائے۔ یہ کہے اور وہ سنے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان دونوں لذتوں سے نوازا ہے۔ جب وہ قرآن مجید میں ﴿يا أيها الذين آمنوا﴾ کے ذریعہ اپنا پیغام بھیجتا ہے تو وہ ہم سے خطاب کر رہا ہوتا ہے اور جب ہم اس کی اجازت بلکہ حکم سے دعاؤں کا دفتر کھولتے ہیں تو ہمیں یہ شرف ملتا ہے کہ ہم اس سے گفتگو کر رہے ہوتے ہیں اور وہ ہماری سن رہا ہوتا ہے۔ کیا شرف اس نے عطا کیا ہے یہ حکم دے کر کہ ﴿أدعوني أستجب لكم﴾ مجھے پکارو میں تمہاری آواز پر لبیک کہوں گا۔

لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم نہ لذت تلاوت قرآن سے آشنا ہیں اور نہ لذت دعا سے۔ ایک کو بوجھ سمجھتے ہیں تو دوسرے کو مجبوری۔ ہمارے ہاتھ دعا کے لیے صرف اسی وقت

اٹھتے ہیں جب کسی مصیبت و بلا سے دوچار ہوتے ہیں۔

عام اصطلاح میں اگرچہ ''آقا سے بندہ کی درخواست وطلب'' کو دعا کہتے ہیں لیکن درحقیقت یہ محبوب سے محبّ، معشوق سے عاشق کا راز و نیاز ہے، عاشقانہ گفتگو ہے۔ شکل اگرچہ طلب کی ہے انداز سائلانہ ہے لیکن مطلوب اس کی ذات کے سوا کچھ نہیں، ائمہ طاہرین علیھم السلام کی دعائیں اس کا بہترین مصداق ہیں جہاں طلب سوال تو ہے لیکن مطلوب ومسئول کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دعاء سحر ماہ رمضان میں پڑھی جانے والی حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول مشہور ومعروف یہ دعاء بہترین نمونہ ہے:

''الھم انی اسئلک من ببھائک بابھاہ و کل بھائک بھی الھم انی اسئلک ببھائک کلّہ''

اس دعاء میں، اللہ کے نور، جمال، جلال، عظمت، رحمت، کلمات، کمالات، اسماء، عزت، مشیت، قدرت، علم، قبول، شرف، سلطنت، ملک، علو، آیات، شان اور جبروت وغیرہ کا واسطہ دے کر گڑگڑا گڑگڑا کے مانگا گیا ہے، مگر کیا چاہیے؟ اس کا کہیں تذکرہ نہیں۔ طلب تو بہانا ہے اس سے بات کرنے کا، عاشق کے لیے معشوق سے گفتگو سے بڑی کوئی لذت نہیں یہ دعا کے بھیس میں معشوق کا قصیدہ ہے۔

اور اگر کسی دعا میں مطلوب ومسئول کا کچھ ذکر بھی کیا گیا ہے تو وہاں بھی مادی لذتوں کا گذر نہیں۔ مطلوب وہی ہے جو معشوق سے قریب تر کردے۔ دعاء کمیل دعاء ابوحمزہ ثمالی' دعاء عرفات بہترین شاہکار ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ دعاء جوشن صغیر کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جو محرومیت کے احساس سے دبے ہوئے انسان کی تونگری اور طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ جس میں خدا سے شکوہ اپنی محرومی کی شکایت اور ناموجود نعمتوں کا مطالبہ نہیں بلکہ موجود نعمتوں کا شکریہ ہے۔

اسلامی اقدار وتعلیمات میں ''دعا'' سرفہرست ہے اس کے آثار فوائد بے شمار ہیں۔

دعاء عبادت ہی نہیں تمام عبادتوں کی جان بھی ہے۔ اسی لیے آنخضرتؐ نے فرمایا ہے ''الدعاء مخ العبادۃ'' دعاء مغز عبادت ہے۔

کیونکہ حقیقت عبادت یہی ہے کہ انسان خود کو اللہ کی ملکیت سمجھے۔ اپنے لیے کسی مستقل ملکیت کا تصور نہ رکھے۔ خدا کے سامنے خود کو بے اختیار و ناچیز گردانے۔

**الھی أنت الخالق و أنا المخلوق و أنت المالک و أنا المملوک و أنت الرب و أنا العبد.....** (از مناجات امیر المؤمنین)

یہ حقیقت چاہے زبان سے بیان کی جائے یا دل میں اس کا اعتراف کیا جائے یا اعضاء جوارح سے اس کا اظہار بھی عبادت ہے۔

انسان جب دعا کے وقت، عاجزی و انکساری سے بارگاہ الٰہی میں اپنے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، گردن کج اور سر خم کرتا ہے۔ چہرہ خاک پر رکھ کر اشکبار آنکھوں سے اس بے نیاز سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے تو وہ عملی طور پر اس کریم کی عظمت، قدرت، بے نیازی اور محتاجی، ذلت اور بے چارگی کا اعتراف کرتا ہے۔

دعاء عبادت کے سوا اور بھی بہت سے فوائد و برکات کی حامل ہے۔ اگر ائمہ معصومینؑ سے منقول دعاؤں کے الفاظ پر غور کر کے انہیں پڑھا جائے تو انسان کے اخلاقی اقدار اور اس کی انسانی تربیت میں انقلاب عظیم کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ تربیت کے میدان میں دعائیں بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

..... دعاء انسان کو اپنے پروردگار سے آشنا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

..... دعاء انسان کے اندر رحمدلی عفو و بخشش جیسے صفات پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔

..... دعاء انسان کے لیے طہارت و پاکیزگی، نظامت و صفائی کا سبق ہے۔

..... دعاء انسان کے اندر غرور و تکبر اور نفس کی سرکشی کو کچلنے کا حربہ ہے۔

..... دعاء مشکلات میں گھرے ہوئے، مایوس انسان کے لیے امید کی کرن ہے۔

.....دعاء بے کس وتنہا، بے یار و مددگار انسان کے لیے جینے کا سہارا اور بہترین پناہ گاہ ہے۔

.....دعاء خصوصاً اس تصور کے ساتھ دعاء جانشین عمل نہیں مکمل عمل ہے۔

قابل مبارک باد لائق صد آفریں ہیں جناب سید اطہر سجاد عابدی صاحب جنھوں نے مادی چکاچوند میں کھو جانے والے انسان کو دعا جیسی معنوی لذت سے آشنا کرانے کی سعی مشکور فرمائی ہے۔ موصوف نے مقصد خلقت کی تشریح کے سایہ میں عظمت و اہمیت دعاء کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی تعلیم کردہ بے بہا دعاؤں سے غافل محبوں کو آشنا کرانے کی جو سعی بلیغ فرمائی ہے لائق تحسین ہے۔

میں اپنی عدیم الفرصتی یا کم سعادتی کے باعث آپ کے تمام مضامین کو دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے قاصر رہا ہوں لیکن جتنا پڑھا اچھا لگا۔ موصوف نے اس اہم موضوع کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔ اُمید ہے قارئین بھی اسے پسند فرمائیں گے اور موصوف کی اس کاوش کو قدر منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

خداوند عالم سے دعاء ہے کہ موصوف کی اس مخلصانہ خدمت کو شرف قبولیت عنایت فرمائے اور ہم سب کو اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے کا شرف عطا کر کے دعاء اور اس کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کی عنایت فرمائے۔

والسلام

سید محمد عسکری

جامعہ اہل بیت۔ نئی دہلی

۱۱ر ذیقعدہ یوم ولادت وسعادت

ثامن الحجج حضرت امام رضا علیہم الصلوٰۃ والسلام

**باسمہ سبحانہ**

# دعائیں معمارِ کردار و سیرت

عراق رضا زیدی

پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ہر زبان میں اظہار خیال کے لیے نظم یا نثر کا سہارا لیا جاتا ہے، نظم میں ہر طرح کا مضمون موزوں کرنے کا ایک الگ نام ہے مثلاً حمد، دعا، مناجات، قصیدہ، منقبت وغیرہ۔ نثر میں یہ اصناف محدود ہیں۔ مثلاً مذکورہ اصناف سخن کے مضامین کو نثر میں ادا کرنے پر صرف اخلاقی یا عرفانی صنف نثر کہا جاتا ہے۔ سجاد عابدی صاحب کی ''حصول توفیقات'' سرسری طور پر اسی زمرے میں آتی ہے۔ لیکن بغور مطالعے کے بعد یہ فیصلہ مشکل ہو جاتا ہے کہ اسے کس صنف نثر سے تعبیر کیا جائے۔ ان مختصر سے چند مضامین میں عرفان اور اخلاق تو ہے ہی بلکہ اس سے بھی آگے کی منزل میں ان دونوں سے قبل کی منزل بھی ہے اور بعد کی بھی۔ دعا ایک ایسی صنف نثر بن کر سامنے آئی ہے جس کے ورد سے انسان اپنی نیک خواہشات کو آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ دعا مشکلوں کو آسان اور بلاؤں کو دور کرنے کا کیمیائی اثر رکھتی ہے۔ اس دعائی کرشمے کے لیے اللہ، رسول اور اہل بیت کے اقوال ہر ہر قدم پر معاون نظر آتے ہیں۔ مسلمان عام طور پر قرآن کی تلاوت کرتا ہے جس کے پہلے سورے کا ہر ہر جملہ یعنی ہر آیت ایک دعا ہے۔ نماز میں بھی پانچوں وقت کم از کم دس بار اس کا ورد لازمی ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ۹۵ فی صدی نمازی اس سورہ کے ترجمے سے ناواقف ہیں۔ جب تک لبوں سے ادا ہونے والی بات کو دل اور دماغ سمجھ نہ سکیں اس وقت تک اس بات میں کتنا اثر ہوگا یہ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کے بعد احادیث نبوی میں یہ اسرار پنہاں

ہیں مگر وہ صحیح طور پر ہم تک پہنچ ہی نہیں سکیں لیکن جو بھی احادیث رائج ہیں ان سے واقفیت بھی صرف دوفی صد تک مسلمانوں کے حصے میں آئی ہے۔اقوال آلِ محمد میں نہج البلاغہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں دعا کرنے کے انداز بھی بتائے گئے اور دعاؤں کے مضامین بھی۔اس کے علاوہ مولاعلیؑ کے ذریعہ اپنے اصحاب کو ورد کرائی گئی دعائیں بھی ہیں جیسے دعائے کمیل دعائے مشلول وغیرہ نہج البلاغہ کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ (جسے زبور آلِ محمد سے تعبیر کیا گیا ہے۔) صحیفہ کاملہ اس دل و دماغ کی آواز ہے جس کا کربلا کے بعد زندہ رہنا اور سجدوں کی معراج بن جانا ایک معجزے سے کم نہیں ہے شاید اسی لیے کسی شاعر نے کہا:

کربلا کے بعد بھی تو سید سجادؑ ہے　　　اور کوئی ہوتا تو کہہ دیتا خدا کوئی نہیں

جن منزلوں اور مصیبتوں سے یہ بیمار امام گزرا ہے ان سے گزرنے والا انسان دعا نہیں بدعا کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔جن ہاتھوں کا دھوبن لعل و زمرد بن جاتا ہے ان کے لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ قیامت برپا کر سکتے تھے مگر بقول آدمی زیدی سیتھلی:

نوح کی مانند اک طوفان آسکتا تھا اور　　　وہ تو کہیے سید سجاد نے چاہا نہیں

چہاردہ معصومین کے سکھائے اور بتائے گئے دعاؤں کے طریقوں کے علاوہ جناب زینب اور ام کلثوم وغیرہ کے خطبوں میں بھی یہ احساسات غالب نظر آتے ہیں۔انسان کو انسان کامل بننے کے لیے عمل کردار اور سیرت کے نمونوں کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا سہارا بھی ایک اہم سہارا ہے۔

دور حاضر کے ادب میں ہر طرح کی تخلیق نثر و نظم اس سے بھی بڑھ کر .C.D کیسٹ وغیرہ صرف مال و زر بٹورنے کا ذریعہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ہمارے اسی فی صد ذاکرین و خطیب بھی مول بھاؤ کرنے کے باوجود سامعین کو صحیح راستہ دکھانے سے قاصر ہیں۔اہل مجلس کے مزاج کو بھی واہ واہ کے نعروں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ان سے سوچنے اور سوالات

کرنے کی صلاحیت ہی چھین لی ہے ایسے میں ضرورت ہے ایسے ادیبوں، خطیبوں اور ذاکرین کی جو اپنے تخلیقی ادب سے ذہن و دل میں صحیح نظریات پیدا کریں۔ لوگوں میں سیرت معصومین پر گامزن ہونے کے حوصلے پیدا کریں۔ آج دینی بیداری پہلے سے زیادہ ہے۔ خدا کے فضل سے مسجدیں نمازیوں سے پر نظر آ رہی ہیں۔ اب چند اشاروں کی ضرورت ہے۔ آج اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ''حصول توفیقات'' ایک اہم قدم ہے جس کے لیے سجاد صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ کتاب آسانی سے اہل بیت کے نظریات کو لوگوں کے دلوں میں اتار سکتی ہے۔ دعاؤں میں مشغول کر سکتی ہے۔ اور جب ہمارے جوان دعاؤں میں مشغول ہو جائیں گے تو محنت اور لگن سے ترقی کے راستے خود بخود ہموار ہوتے چلے جائیں گے جیسا کہ مولانا محمد عسکری صاحب نے نتیجہ پیش کیا ہے کہ:

''تربیت کے میدان میں دعائیں بہت بڑا سرمایہ ہیں.....

دعا انسان کو اپنے پروردگار سے آشنا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے.....

دعا انسان کے اندر غرور تکبر اور نفس کی سرکشی کو کچلنے کا حربہ ہے.....

دعاء بے بس و تنہا بے یار و مددگار انسان کے لیے جینے کا سہارا اور بہترین پناہ گاہ ہے۔''

سجاد عابدی صاحب کے مضامین کے عنوانات ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کے جسم میں ایک دردمند قوم پرست، مصلح، ترقی پسند انسان کا دل دھڑک رہا ہے کیوں کہ وہ میڈیا سے بھی وابستہ رہے ہیں اس لیے ان میں تخلیق کا وہ ہنر بھی ہے جو دلوں کو جھنجوڑنے اور ذہنوں کو بیدار کرنے کے لیے چابک کا کام کرتا ہے چھوٹے چھوٹے جملوں میں اپنی بات کہنا اور انہیں جملوں میں اقوال قرآنی اور اقوال و افکار معصومین کو موتیوں کی لڑی کی طرح پرو دینا۔ وہ اپنا نظریہ تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ باتوں باتوں میں معصومین کے اقوال کو اس طرح پیش کر دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ قدم قدم پر الہام ہو رہا ہے اور الہامی کیفیت نثر میں ہو یا نظم میں سونے پر سہاگا یہ کہ معصومین کی نقل نظر میں ہو تو دل و دماغ کا گرویدہ ہونا، عمل پیرا ہونا کوئی

بڑی بات نہیں رہ جاتی، ان کے مضامین کے عنوانات (۱) حمد خدا اور قرب الٰہی (۲) عظمت اور اہمیت دعا (۳) مقصد حیات (۴) عرفان توحید (۵) حصول توفیق (٦) احسن الخالقین (۷) اقراء (۸) خزانۂ علم ومعرفت وغیرہ ہیں۔ آخری عنوان کے تحت پندرہ ذیلی عنوانات ثبوت وحدانیت، مادی زندگی اور ثبوت حیات جاودانی، قرآن کریم کی افضلیت، گناہوں سے بچیں، تنہائی میں اور چھپ کر گناہ نہ کرو، صلاح اور مشورے کی قدر کرو، خود پسندی کے نقصانات، موقع گنوا دینا، دوست اور پڑوسی کا انتخاب، دوستی اور عقل، دوستیاں جن سے اجتناب لازم ہے۔ دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ میانہ روی، احمق کی زبان اور عاقل، ہمارے کرموں کا پھل، انسانی خصوصیات، ہمارے اعمال کا ریکارڈ یہ تمام عنوانات اور ذیلی عنوانات انسان کی زندگی کے آغاز تا انجام ہونے والے تمام ارکان کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جو انسان کو صالح، نیک، عبادت گزار، معاون، مسیحا اور راہبر تک بنانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ انسان کے اچھے برے اعمال اور میزان کو اپنے تجربات کے ذریعہ سائنس کی رو سے اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ منہ زور انسان یا ناستک بھی لاجواب ہو جاتا ہے۔ ''آج ریڈیو اور ٹیلی ویژن جو انسان نے بنائے ہیں اس قابل ہیں کہ آوازوں کو قید کر لیں، یہاں تک کہ ہر حرکت اور سین جو پہلے کبھی ریکارڈ کئے گئے تھے بعینہٖ دکھا سکتے ہیں۔ آج الفاظ، تقریریں، تصویریں اور حرکات برسوں ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں سنبھال کر رکھے جا سکتے ہیں''۔

جب ایک انسان جسے خداوند عالم نے پیدا کیا..... وہ ایسی چیزیں ایجاد کر سکتا ہے تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ قادر مطلق اور خالق کل کائنات کے منشاء کے مطابق انسانی حرکات اور سکنات کا ریکارڈ کس قدر نایاب اور شفاف ہوگا۔'' اعمال نامہ اور میزان کی کیفیت ثابت ہونے پر انسان کا اپنے انجام کے بارے میں فکر مند ہو جانا یقینی ہے۔ یہ وہ عمل ہوگا جس سے دنیا بھی سنواری جا سکتی ہے اور عقبیٰ بھی، اور وہی انسان کامیاب ہوگا جو ان دونوں منزلوں سے سالم گزر جائے گا ان منزلوں سے سالم گزرنے کے لیے تقوے کے ساتھ اہم

ہتھیار ''دعا'' ہی ہے، جو اس وقت بھی کام آتی ہے جب ڈاکٹر جواب دے دیتے ہیں اور اس وقت بھی جب ڈاکٹر آپریشن کے لیے آمادہ ہوتے اور آپریشن کرتے ہیں۔ یہاں پرفیسر عزیز الدین حسین کا ایک قول بیان کرنا بہتر ہوگا۔

''موصوف سے ہولی فیملی کے ایک سرجن نے فرمایا کہ ہمیں ان لوگوں کے آپریشن کرنے میں بہت آسانی ہوتی ہے جن کے گھر والے دعائیں کرتے رہتے ہیں خصوصاً آپریشن کے وقت ہونے والی دعائیں ہمارے لیے بہت کارآمد ہوتی ہیں''

اس دور میں کسی سرجن کا دعا پر اعتبار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی میں بھی دعاؤں کا دخل ہے۔ مذکورہ کتاب میں طرح طرح سے دعاؤں کی اہمیت ان کے اثرات اور دعاؤں کے قبول ہونے کے بارے میں بحث بھی کی گئی ہے اور قوم کو دعاؤں کے لیے اکسایا بھی گیا ہے تاکہ مومنین بلاؤں، آفاتوں، ناکامیوں اور جہالت سے دور ہو کر اچھی زندگی گزار سکیں۔

خدا نے انسان کو ہر برے کام اور بداعمالیوں سے روکنے کے لیے اس کے اوپر ''ضمیر'' جیسا کوتوال مسلط کر دیا ہے۔ جب تک یہ جاگتا رہتا ہے انسان کو ہر برائی اور بداعمالی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے، اور جب انسان اپنے ضمیر کی چابک سے بے پرواہ ہو کر مسلسل برائیوں اور بداعمالیوں میں ملوث رہنے لگتا ہے تو یہ ضمیر نامی کوتوال مر جاتا ہے۔ عابدی صاحب کی تصنیف کردہ کتاب ''حصول توفیقات'' اس مردہ ضمیر کو دوبارہ زندہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تاکہ یہ عمل انسانوں کو آئینہ دکھاتا رہے اور بے عمل لوگوں کے لیے تازیانے کا کام کرے جیسا کہ خود موصوف نے تحریر کیا ہے ''دعا ضمیر کی بیداری کی علامت ہے''۔ امید ہے یہ کوشش دنیا و آخرت کے اجر کے ساتھ ساتھ عابدی صاحب کو عوام الناس سے بھی دعا کا مستحق بنائے گی۔

والسلام

۲۷/مارچ ۲۰۱۰ء

# مقدمہ

خالق کائنات کے احسانات کی وسعتوں کا تصور محال اور حساب ناممکن ہے!

خلاء کی بسیط وسعتوں میں فروزاں شمس وقمر کی قندیلیں مختلف سیاروں کی نپی تلی رفتار۔شام وسحر کی خوش آئند ترتیب اوران کا طے شدہ نظام الاوقات۔دنوں کی ترتیب کے ساتھ گھنٹوں کا حساب اور لمحوں کا شمار!اس مکمل ترتیب اور منظّم عجائبات قدرت کے کرشموں کے ساتھ اُس کی بخششوں اور اُس کے احسانات کا سلسلہ اِس روئے زمین پر کچھ اس طرح پھیلا کہ:

زرخیز میدانوں کا ذکر ہی کیا سرسبز وشاداب نخلستانوں کا ظہور ہوا ریگزاروں میں!

صاف ستھرا افراط پانی، بہ ارزانی میسر ہوا آبشاروں اور دریاؤں کی روانی میں!

ہیرے جواہرات کے خزانے اکٹھا کردئے گئے پہاڑوں کے دامن میں!

اور مونگے اور موتیوں کے انبار سمندر کی گہرائیوں میں.... یہاں تک کہ سونا اور تیل کی دولت نے زندگی کو نئی رفتار عطا کردی بنجر اور سنگلاخ ریگستانوں میں....غرضکہ خالق ومالکِ ارض وسماء نے انسانی نشوونما ہی نہیں، اُس قدرت کاملہ نے تو انسانی تواضع اور آسائشوں کے لیے مادی تخلیقات کو کمال کی اُن حدوں تک پہنچادیا جو بس اُسی کے بس کی بات تھی جسے ہم قادر مطلق کہتے ہیں۔

ہماری زبانیں قاصر ہیں اُس کی حمد وثنا سے کہ جس نے اِن آسائشوں کو نمو بخشی آبِ باراں سے کہ اس کے بغیر نہ سیپ کو موتی نصیب ہوتا اور نہ دریاؤں کو روانی! یہی وجہ ہے کہ

حق شناس بندوں اور ارتقائے روحانی کے معتبر اور افضل ترین نفسوں نے خالق دو عالم کو پہچنوایا اُس کے رحیم، کریم، شفیق اور رفیق ہونے کی صفتوں سے۔

یقیناً وہ خالق بے نیاز رحیم ہے اور کریم ہے کہ اُس کی رحمتیں دن رات بے حساب نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اِن رحمتوں کی حصولیابی کے لیے اگر ضرورت ہے تو اُن گناہوں سے بچنے کی جو اِن رحمتوں کے آڑے آتے ہیں... اگر ضرورت ہے تو مناسب عمل، مسلسل کوششوں اور اپنی صلاحیتوں سے اپنے آپ کو ان رحمتوں کی حصولیابی کے قابل بنانے کی۔

ان رحمتوں کی پہچان ثبوت ہے عُروجِ نفسِ بشَری کا !

اور اِن سے مستفید ہونے کی صلاحیت بشارت ہے ''حصولِ توفیقات'' کی!

بس انہی احساسات اور خیالات کے تحت یہ مختصر سی تحریریں عمل میں آئی ہیں۔ اِن تحریروں کی بنیادیں قائم کی گئیں ''اقوال معصومین علیہم السلام'' پر کہ اِن اقوال میں گہرائی عمیق اور پختگی لاثانی ہے۔ یہ اقوال بصیرتوں میں اضافے کی سند ہیں!

اسی طرح ان سارے مضامین کے لیے روشنی حاصل کی گئی ائمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور کی گئی دعاؤں کے نسخوں مثلاً صحیفہ کاملہ اور دیگر دعاؤں کے مجموعے اور وظائف الابرار جیسی قابل قدر کتابوں سے کہ اِن کی روشنی میں ''احکامِ خداوندی'' کو درک کرنا نہایت آسان ہے۔ یہ راہ بڑی روشن ہے!

اور یہ تمام کوششیں خواستگاری ہیں رحمت پروردگار کی، اس التجا کے ساتھ کہ خالق ازلی اپنی تمام رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ ہمیں رسولِ مقبول اور اہلبیتؑ اطہار کے افکار عالیہ کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کرے ..... اور احکامِ الٰہی کی پیروی کرنے کی سعادت بخش دے...تا کہ:

''ہم اپنی زندگی اُن اعلیٰ ترین قدروں کے ساتھ بسر کرسکیں جو رضائے الٰہی کی پہچان ہیں''!

زیرنظر کتاب یعنی حصول توفیقات کی شروعات ''حرف آغاز'' سے کی جارہی ہے جسے عالیجناب سید محمد عسکری صاحب قبلہ پرنسپل جامعہ اہل بیت نئی دہلی نے باوجود بے انتہا مصروفیتوں اور عدیم الفرصتی کے میری درخواست پر لکھنے کی زحمت فرمائی۔ اس مضمون میں معنوی لذتوں کی گہرائیوں اور اہمیت دعاء کی وسعتوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''تربیت کے میدان میں دعائیں بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ اگر ائمہ معصومینؑ سے منقول دعاؤں کے الفاظ پر غور کر کے انہیں پڑھا جائے تو انسان کے اخلاقی اقدار اور اس کی انسانی تربیت میں انقلاب عظیم کو محسوس کیا جا سکتا ہے''۔ میں عسکری صاحب قبلہ کا بے انتہا شکرگزار ہوں اور رہونگا کہ انہوں نے میرے ان جذبات کی حوصلہ افزائی کی ہے جن کے تحت اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔

میں شکرگزار ہوں جناب ڈاکٹر عراق رضا زیدی صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ کا کہ انہوں نے اس کتاب کے لیے ایک گراں قدر مضمون بعنوان ''دعائیں معمار کردار و سیرت'' تحریر فرمایا، جس میں ائمہ معصومینؑ کی دعاؤں اور وظیفوں کی قدر و منزلت اور ان سے فیضیاب ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''انسان کو انسان کامل بننے کے لیے عمل، کردار اور سیرت کے نمونوں کے ساتھ ساتھ دعاؤں کا سہارا بھی ایک اہم سہارا ہے''۔ میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ پروردگار عالم انہیں جزائے خیر عطا کرے۔

میں بہت ممنون ہوں جناب افروز مجتبیٰ صاحب کا جنہوں نے ''تعارفی کلمات'' میں ان تمام مضامین اور ان مضامین کے پس پشت خاکسار کے جذبات کا بخوبی احاطہ کیا اور میرے حق وہ میں نایاب دعائے خیر کی ہے جو بہر طور ایک مومن کی تمناؤں کی منزل منتہا اور معراج انسانیت کی آخری حد ہے۔ خداوند متعال ان کی ارتقائے روحانی کی منزلوں کو بے حد آسان کر دے۔

شکر باری تعالیٰ کے ساتھ میں اپنے تمام خیر خواہوں کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں، ساتھ ہی ملتجی ہوں رب العالمین کے حضور کہ اگر میری یہ کوششیں مستحق ثواب ہوں تو یہ اجر میرے والدین کی روحوں کو پہونچے اور روز محشر ان کی بخشش میں معاون ہو...... آمین!

طالب دعاء

سید اطہر سجاد عابدی

۳۰/مارچ ۲۰۱۰ء

## حمد، دُعا اور شرف قبولیت:

- فرمایا امام زین العابدینؑ نے کہ:

"وہ معبود تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے ہمیں اپنی معرفت کرائی اور... اپنے "حمد وشکر" کا طریقہ ہمارے دلوں میں ڈالا......

"ماخوذ از دُعائے مطلقہ"

خُدایا... تو میری دُعا کو قبول کر، میری آواز کو پذیرائی بخش اور اپنے فضل و کرم کے صدقے میں میری مرادوں کو برلا، اور میرے مقاصد کی تکمیل کر.....

"ماخوذ از دُعائے صباح"

- ارشاد فرمایا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہ:

جس کو خداوند عالم دعا کی توفیق عطا فرمادے وہ "شرف قبولیت" سے محروم نہیں رہ سکتا۔

# حمد خُدا اور قربِ الٰہی

سمندر کی عمیق گہرائیوں سے لے کر سطح آب تک........

بے آب وگیاہ، ریگ زاروں،

پتھریلی اور بنجر زمینوں سے لے کر...... پہاڑ کی برفیلی چوٹیوں تک!

..... ہر مقام پر ''اپنی مخلوق'' کو رزق پہونچانے والے...... نہ ہماری زبانوں میں اتنی طاقت، نہ ہمارے الفاظ میں وہ سکت کہ ہم تیری ایسی مدح سرائی کر سکیں جس کا ''تو'' مستحق ہے۔

''خلاق عالم''...... ہماری قوتیں محدود ہیں!

ہمیں شعور عطا کر کہ ہم ''تیری حمد وثنا کا حق ادا کر سکیں''۔

پروردگار عالم... ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو ہماری طاقت اور تدبیر پر ہرگز مت چھوڑنا سوائے اپنی طاقت اور تدبیر کے....

''ساری عظمتوں کے مالک''ہم تیرا شکرادا کرتے ہیں کہ تو نے ہمیشہ ہمیں یادرکھا!

تو نے اپنی بندگی کے ذریعہ.... اور عبادتوں کے وسیلے سے ہم کو ''اپنی قربت'' کا راستہ دکھایا!

معبود برحق..... تو نے اس قربت کو محض اپنی عبادت پر موقوف نہیں کر دیا.... بلکہ تمام عبادتوں کے ساتھ ''عبد کو'' اپنی حاجتیں بیان کرنے اور التجا کرنے کو اتنا پسند فرمایا کہ ''دعاؤں'' کو جزو عبادت بنا دیا۔

ان دعاؤں کی عظمت اور اہمیت سمجھنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ''کوئی عبادت''

شرف قبولیت کونہیں پہونچتی اگر واجبات کی ادائیگی کے ساتھ ''بندہ''.... خداوند عالم سے ''راز ونیاز'' اور ''دعاء ومناجات'' نہ کرے——

اس طرح ''عبادت'' بارگاہ رب العزت تک پہنچنے کا راستہ اور ''دعائیں'' اس بارگاہ میں پہونچ کر بلندیاں حاصل کرنے کا طریقہ اور حقیقۃً ''قرب الٰہی'' کا وسیلہ بن گئیں!

اصول کافی میں یہ درج ہے کہ:

خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی شے اس سے افضل نہیں کہ ''اُس سے سوال کیا جائے'' اور جو نعمتیں اس کے پاس ہیں اُنہیں مانگا جائے—— امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

.....تم لوگوں پر دعا کرنا لازم ہے کیونکہ ''اس جیسی'' کوئی اور شے نہ پاؤ گے جس سے خدائے تعالیٰ کی جناب تقرب حاصل کرسکو!

تقرب اور خدائے متعال کی حضوری..... برادران محترم' آپ حضرات عبادتوں کے طریقے مجھ سے بہتر جانتے ہیں مگر اُن عزیز بچوں کے لیے جنھوں نے نماز ابھی سیکھی ہے..... اور اُن قابل قدر نوجوانوں کے لیے جن کو اس دور کی مصروف زندگی میں ''نماز کے فرض کی ادائیگی'' ہمیشہ یاد رہتی ہے اور وہ نماز میں قربتاً اِلی اللّٰد کی نیت بھی کرتے ہیں مگر بربنائے مصروفیت اور اس سے بھی زیادہ بربنائے ناواقفیت نماز ختم کرتے ہیں تو قربت بھی ختم کردیتے ہیں؛ میری صلاح یہ ہے کہ ''قربتاً اِلی اللّٰد'' کی معنویت کو عملی جامہ پہنایئے۔ ''دعا'' بھی اسی اہتمام سے کیجیے جس طرح نماز ادا کی ہے——

قربت الٰہی سے بڑی نہ کوئی ''سعادت'' ہے نہ کوئی ''نعمت''!

مولائے متقیان... جناب امیر المؤمنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ فرماتے ہیں:

خدائے عزّ وجل کے نزدیک ''اہل زمین کے تمام اعمال میں'' محبوب تر دُعا ہے!

آیئے دیکھیں ''قرآن مجید'' نے ''اہمیت دعا'' کو کس طرح ظاہر کیا ہے۔——

ارشاد رب العزت ہے کہ:

....تم مجھ سے مانگو ....میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔[1]

کہیں فرمایا: تم لوگ اپنے پروردگار کو "عاجزی کے ساتھ" اور "آہستہ" پکارو![2]

کہیں ارشاد ہو رہا ہے: کہ سوائے خدا کے کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرے جبکہ مضطر اُسے پکارے![3]

......پروردگار بدحالی کو دفع کرنے والا ہے!

اور بندوں کو نیازمندی کا انداز سکھانے والا شفقت الٰہی کا یہ انداز بھی دیکھیے، ارشاد ہو رہا ہے: ﴿قل ما یعبأبکم ربّی لو لا دعائکم﴾

......ہمارے حبیب! کہہ دو لوگوں سے کہ اگر تم میرے پرودگار سے دعا نہ کرتے رہو تو اُسے ....تمہاری کیا پرواہ ہے۔

یہاں تک کہ خود جناب سرور کائنات کو حکم دیا گیا...﴿قل ربّ زدنی علما﴾[4] یعنی اے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہو "کہ اے میرے پروردگار تو میرا علم بڑھا"۔

پیغمبر جناب یونسؑ کو شکم ماہی میں دُعا کے جملے تعلیم دیے اور اُنھیں نجات اس وقت حاصل ہوئی جب آپ نے اپنے دہن مبارک سے کہا ﴿لا اِلٰه اِلّا أنتَ سُبحانَکَ اِنّی کُنتُ مِنَ الظّالِمین﴾[5] جس کا اردو ترجمہ ہے کہ "اے معبود سوا تیرے کوئی معبود برحق نہیں، یقیناً میں نے اپنے حق میں کوتاہی کی۔

جناب ایوبؑ کی دعا بھی قرآن میں مذکور ہے —— آپ فرماتے ہیں کہ "اے میرے پروردگار میں بیمار ہوں ....اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے! دُعا کا نتیجہ یہ ہوا وہ تندرست ہو گئے اور انہیں رفاہ بھی ملی!

---

[1] سورۃ المومن، آیت: ۶۰ [2] سورۃ الاعراف، آیت: ۲۰۵

[3] سورۃ النمل، آیت: ۶۲ [4] سورۃ طٰہٰ، آیت: ۱۱۹

[5] سورۃ الانبیاء، آیت: ۸۷

بس آخر کلام میں کچھ جملے قبولیت دعا اور عدم قبولیت دعا کے بارے میں!

اس کے بہت سے اسباب ہیں بہت سے وجوہات ہیں، جن کی تفصیل میں جانا اس وقت ممکن نہیں ہے۔ اس لیے میں صرف صحیفہ کاملہ[1] سے کچھ سطریں آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں.... انشاءاللہ آپ مسرور ہوں گے!

اگر تمام امور جمع ہو جانے اور ساری شرطیں پوری ہونے کے باوجود بھی دُعا قبول نہ ہو تو یقین کر لینا چاہیے کہ ہمارے لیے مصلحت اسی میں ہے کہ یہ کام نہ ہو! اس سے بہتر کوئی چیز عوض میں ملنے والی ہے۔

''یا اس لیے تاخیر ہو رہی ہے کہ ہماری آواز کا دیر تک سنتے رہنا اُسے پسند آ گیا ہے'' اور وہ چاہتا ہے کہ یہ بندہ مومن ہم سے باتیں کیے جائے!..... اگر جلدی حاجت بر آری ہو جائے گی تو اِس کی یہ گفتگو اور یہ لذتِ کلام منقطع ہو جائے گی!

...... بہر حال کوئی بندہ اپنے خالق کو پکار کرنا کام نہیں رہتا۔ کسی نہ کسی وقت اِس کا ثمر اُسے مل کر رہتا ہے!

اور اس لیے اِس تحریر کے اختتام پر میری آپ سب حضرات سے التجا ہے کہ.... دِن بھر کی تکان اور مشغولیت کے بعد......

جب آپ بہ اطمینان نفس...... مغربین کے لیے مُصلے پر تشریف لے جائیں اور ربُّ العالمین کے حضور دیر تک حمد و ثنا اور عبادتوں کا سلسلہ شروع کریں...... ''تو دعائے خیر'' ...... میرے لیے بھی کریں!

پروردگار عالم تو ہم سب کو ''توفیق دعا'' ... ''توفیق شکر'' .... اور ''توفیق استغفار'' عطا کر... آمین

اب پیش ہے دعائے کُمیل کے چند متفرق فقروں کا اردو ترجمہ، وہ دعائے کُمیل جس

---

[1] صحیفہ کاملہ مترجمہ مولوی سید ہارون صاحب، ص:۲۳

کی معجز بیانی میں حمد خدا بھی ہے، دعا بھی ہے اور قرب الٰہی کا اشتیاق بھی۔ یہ دعا حضرت علی مرتضیٰ سے منسوب ہے اور اب آپ جو کچھ پڑھیں گے وہ حضرت علیؑ کے دہن مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کا اردو ترجمہ ہے[1] ...... پڑھیں، دل میں قربتاً الیٰ اللہ کی نیت کریں اور زبان سے آمین آمین کی صدائیں بلند کریں!

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے:

(۱) اے سب سے زیادہ پاک و پاکیزہ، اے سب پہلوں سے پہلے، اے تمام آخروں سے آخر!

یا اللہ..... میرے وہ سب گناہ بخش دے..... جو ناموس میں بٹہ لگا دیتے ہیں!

یا اللہ..... میرے وہ سب گناہ بخش دے..... جو نزول بلا کا باعث ہوتے ہیں!

یا اللہ..... میرے وہ سب گناہ بخش دے..... جو نعمتوں کو بدل دیتے ہیں!

یا اللہ..... میرے وہ سب گناہ بخش دے..... جو دعاؤں کو درجہ مقبولیت تک پہونچنے سے روک دیتے ہیں!

یا اللہ ..... میں تیری یاد کے ذریعہ تیری حضوری میں تقرب چاہتا ہوں! اور تیری حضوری میں تیرے ذکر اور تیری ہی ذات کو اپنا سفارشی ٹھہراتا ہوں اور تیرے جود و بخشش اور کرم کو ذریعہ گردان کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے اپنا قرب زیادہ کر دے۔

......اور مجھے اپنی نعمتوں کا شکر بجالانے کی توفیق عطا فرما!

(۲) یا اللہ اے میرے مالک! تو نے میری کتنی برائیوں پر پردہ ڈالا ہے اور کتنی سخت سے سخت بلاؤں کو تو نے ٹال دیا۔

اور کتنی خطاؤں سے تو نے بچالیا...... ''اور کتنی اذیتوں کو تو نے دفع فرمادیا'' اور کتنی خوبیاں جن کا میں مستحق نہ تھا تو نے لوگوں میں مشہور کر دی ہیں!

---

[1] وظائف الابرار مترجمہ مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ

(۳) اے وہ کہ جس نے میرے وجود کا آغاز فرمایا۔ میرا نام بھی نکالا، میری پرورش کا سامان بھی کیا، میرے حق میں ہر طرح کی نیکی بھی کی اور مجھے غذا دینے کے اسباب بہم پہنچائے، جیسے تو نے کرم کی ابتدا کی تھی اور جس طرح پہلے سے میرے حق میں نیکی کرتا آرہا ہے...... ویسے ہی برقرار رکھ!

(۴) پروردگار میری زبان کو اپنی یاد میں چلتا رکھ اور میرے دل کو اپنی محبت میں مستغرق فرما۔ اور میری دعاؤں کو خوبی کے ساتھ قبول فرما کر مجھ پر احسان کر...... اور میری برائیاں دور فرمادے اور میری لغزشیں بخش دے اس لیے کہ تو نے اپنے بندوں کے بارے میں یہ طے فرمادیا ہے کہ وہ تیری عبادت کیا کریں...... اور تو نے یہ حکم دے دیا ہے "کہ تجھی سے دعا مانگا کریں" اور اِن کی خاطر سے "قبولیت دعا" کی — خود تو نے ضمانت فرمائی ہے۔ اے میرے پروردگار میں نے تیری حضوری میں ہاتھ پھیلا دیے ہیں...... پس اپنی عزت کے صدقے میں میری دعا قبول کرلے۔

(۵) اے سب سے جلدی راضی ہونے والے اسے بخش دے جس کا دعاء کرنے کے سوا کچھ بس نہیں چلتا۔

اے وہ کہ جس کا نام ہر جسمانی مرض کی دوا......

اور جس کی یاد ہر روحانی مرض کے لیے شفا ہے۔

اور جس کی اطاعت "شانِ بے نیازی پیدا کرنے والی ہے" —

اے بلاؤں کو دفع کرنے والے! اے اندھیروں میں گھبرانے والوں کو روشنی پہنچانے والے ...... تو محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر رحمت بھیج اور میرے حق میں وہ کر جو تیری شان میں زیبا ہے!

اور اے اللہ.... اپنے رسول پر اور اِن کی اولاد میں جو صاحب برکت امام ہیں اُن پر اپنی رحمت بھیج اور ایسا سلام بھیج — جیسا بھیجنے کا حق ہے۔

والسلام

## شُکرانِ نعمت:

یا اللہ..... میں تیری یاد کے ذریعہ تیری حضوری میں تقرب چاہتا ہوں!

اور ... تیرے کرم اور تیری بخشش کو ذریعہ گردان کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے لیے اپنا قرب زیادہ کردے۔

اور ... مجھے اپنی نعمتوں کا شکر بجالانے کی توفیق عطا فرما!..........

''ماخوذ از دعائے کمیل''

- ارشاد فرمایا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہ:

جس کو خداوند عالم شکر کی توفیق عطا فرمادے وہ ''حصول نعمت'' سے محروم نہیں رہ سکتا۔

# عظمت اور اہمیتِ دُعا

دُعا وہ مجرب نسخہ حیات اور منفرد عطیۂ خداوندی ہے کہ جس کی اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔

دُعا حیاتِ انسانی کا مُثبت ترین پہلو ہے۔

...اِس ناپائیدار اور بے ثبات عالم فانی میں اگر کوئی دریچۂ امید ہے تو وہ ہے ''دُعا''۔

وہ دُعا جس کا حکم خود خالقِ کائنات نے رسولؐ کے ذریعہ کچھ اس طرح بھیجا کہ:

اے رسولؐ کہہ دو کہ تم لوگ اگر اللہ سے دُعا نہ کرتے رہو تو اُسے بھی تمہاری کیا پرواہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ''دُعا'' اور اس کے پورا ہونے کی امید انسانی نفسیات کا وہ پہلو بن گئی جو انسان کو متوازن رکھتی ہے۔ دُعا ذہن کو سکون، قلب کو اطمینان اور ارادوں کو مضبوطی عطا کرتی ہے۔ ان تمام نفسیاتی پہلوؤں کے علاوہ ''دُعا'' کس قدر معتبر اور قابل قدر ''عطیہ خداوندی'' ہے اور اس نعمت خداوندی کی کیا عظمت اور کیا منزلت ہے اس کا اندازہ اسی بات سے کیا جاسکتا ہے کہ دُعا ''عبد'' اور ''معبود'' کے درمیان براہِ راست تعلق کا ذریعہ ہے۔

.....دُعا ضمیر کی بیداری کی علامت ہے۔

.....ایک روحانی رابطہ ہے۔

ایک مخلوق کے لیے اِس سے بہتر کون سے لمحے ہو سکتے ہیں کہ جب وہ اپنے پالنے والے سے رجوع کرے!

اُس پیدا کرنے والے سے سوال کرے جس کی شفقت لاثانی ہے، جس کی عطائیں بے مثال ہیں افراط ہیں!

دُعا خیالات کو پاکیزگی اور فکر کو بلندی عطا کرتی ہے۔ اِن ساعتوں میں ''عبد'' اپنے

''معبودؔ'' سے قریب تر ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں:

یہ قربت رہین منت ہے ''کمال اخلاق'' کی...... توفیق کی!

توفیق نتیجہ ہے کوششوں کا!

اور حصول توفیق ثمر ہے اعمال کا۔ طرز زندگانی کا!

توفیق کیا شے ہے اور حیات انسانی میں اس ''توفیق'' کی کیا اہمیت ہے اِس سلسلہ میں مُلاحظہ ہوں مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے ارشادات آپ فرماتے ہیں کہ:

- جس کو خداوند عالم دُعا کی توفیق عطا فرمادے وہ ''شرف قبولیت'' سے محروم نہیں رہ سکتا!
- جس کو خداوند عالم شکر کی توفیق عطا فرمادے وہ ''حصول نعمت'' سے محروم نہیں رہ سکتا!
- جس کو خداوند عالم استغفار کی توفیق عطا فرمادے وہ ''مغفرت'' سے محروم نہیں رہ سکتا!

امامِ عالی مقام کے یہ تین زرین اقوال ایسی روشن قندیلیں ہیں کہ ان کا نور جن حضرات تک پہونچ جائے اُن کی دُنیا بھی شادمان اور عقبیٰ بھی کامران۔

مولائے کائنات حضرت علی ابن ابی طالبؑ کا پہلا قول کہ ''جس کو خداوند عالم دعا کی توفیق عطا کردے وہ شرف قبولیت سے محروم نہیں رہ سکتا'' آپ حضرات کے ذہنوں کے حوالے کرتا ہوں اِس استدعاء کے ساتھ کہ آپ اس قول کی روشنی میں خود تلاش کریں وہ راہیں جن سے بارگاہِ ایزدی میں دُعائیں شرف قبولیت تک پہنچتی ہیں۔

یاد رکھیں یہی دُعائیں بہترین وسیلہ ہیں قرب الٰہی کا۔ آپ کی یہ کوششیں یقیناً آپ کی اُن توفیقات میں اضافہ کا باعث بنیں گی جن کی برکتیں دنیا میں کامیابی اور عقبیٰ کی

راحتوں کی ضمانت ہوا کرتی ہیں۔

دوسرا قول شکر کی توفیق اور حصولِ نعمت: اس دوسرے قول کی وضاحت میں ''دُعاے جوشن صغیر'' کے کچھ حصوں کے اردو ترجمے[1] پیش کرنا چاہتا ہوں۔ أئمہ معصومین کی زبانوں سے نکلی ہوئی اِن دُعاؤں کو بار بار پڑھنا' نہ صرف یہ کہ باعث برکت ہے' اِن کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کے معانی اور مطالب ذہن میں موجود رُجحان عبدیت کو قوی کرتے ہیں۔ اِن دعاؤں کا پڑھتے رہنا جہاں ایک طرف باعث اطمینان قلب اور مُوجبِ سکونِ ذہنی ہے وہیں دوسری طرف یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور حاضری کا سلیقہ سکھا دیتا ہے۔ پروردگار عالم کی حضوری میں اپنی مشکلات بیان کرنے اور دعائیں طلب کرنے کا شعور پیدا کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں ''دعائے جوشن صغیر'' کے یہ چھوٹے چھوٹے اقتباسات جن کے فقروں میں ''اللہ کا شکر'' ادا کرنے کی اہمیت کس قدر واضح ہے اور چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعائیں کرنا اپنے آپ میں ایک بہترین اور افضل ترین عبادت ہے اسلیے اِن فقروں کی ادائیگی کے دوران پوری توجہ اور پوری یک سوئی کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دست بدعاء ہو جائیں:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے ''جو بڑا مہربان'' اور ''نہایت رحم کرنے والا ہے''

اے خدا۔ درود اور سلام نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر......

اور...... مجھے ''اپنی نعمتوں'' کے شکر کرنے والوں میں شمار کر!

اور...... مجھے ''اپنی نعمتوں'' کے ''ذکر'' کرنے والوں میں ''داخل کر''!!

خداوند عالم...... بہت سے نیک اور اچھے گمان ہیں جو میں نے تیری بابت کئے اور تونے...... ''اِنہیں درست ثابت کر دیا''۔

اور تنگدستی کے راستوں کو تو نے بند کر دیا

اور ''مہلک فقر'' ہی کو تو نے ہلکا کر دیا

---

[1] وظائف الابرار مترجمہ مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ

تجھ سے بار ہا سوال کیا اور تو نے عطا فرما دیا!

اور جب تیرے ''دروازۂ رحمت'' پر آواز دی تو نے بخل نہ کیا۔

تو بغیر مانگے بھی دیتا ہے۔

اے میرے معبود..... اپنے فضل سے بخش دے ''جو کچھ''... میں ''تیری رحمت کے وسیلے'' سے چاہتا ہوں.....

میں..... ''تیری رضامندی'' ''کو'' اپنے عروج کا زینہ مقرر کرتا ہوں!

پس اے خداوند عالم تو ''لائق ستائش ہے اور ایسا ''قادر مطلق'' کہ کبھی مغلوب نہیں ہوا۔

اور ایسا ''صاحب تحمل'' کہ..... کبھی جلدی نہیں کی۔

پروردگار ''درود اور سلام'' نازل فرما محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر.....

اور..... مجھے اپنی نعمتوں کے شکر کرنے والوں میں ''داخل'' کر!

اور..... مجھے اپنی نعمتوں کے ''ذکر'' کرنے والوں میں ''شمار کر''!!

اے خداوند! تیرے بہت سے بندے ہیں کہ جن کی ''صبح وشام'' بیماری کے عالم میں گزرتی ہے۔

''نالہ اور فریاد کے ساتھ گزرتی ہے''۔ وہ درد اور ''دائمی مرض'' میں مبتلا رہتے ہیں

.....غم کے عالم میں مضطرب ہو کر کروٹیں بدلتے ہیں

.....اور کوئی مددگار نہیں پاتے!

اور انہیں کھانا ''مزہ دیتا'' ہے اور نہ ''پانی''

تیرا شکر ہے کہ میں جسمانی طور پر صحت مند ہوں اور سلامتی سے ہمکنار ہوں اور یہ سب ''عیش وعشرت'' اور ''فارغ البالی'' صرف تیری ہی بدولت ہے۔

پس اے خداوند عالم..... تو لائق ستائش ہے اور ایسا قادر مطلق کہ..... کبھی مغلوب

نہیں ہوا۔

اور ایسا صاحب تحمل .....کہ کبھی جلدی نہیں کی!

خداوند عالم "درود اور سلام" نازل فرما محمدﷺ اور آل محمدﷺ پر......

اور.....مجھے اپنی نعمتوں کے "شکر کرنے والوں" میں داخل کر!

اور.....مجھے اپنی نعمتوں کے "ذکر" کرنے والوں میں "شمار کر"

اے میرے معبود! تیرے بہت سے بندے ایسے ہیں کہ جن کی "صبح و شام" "خوف کے عالم" میں گزرتی ہے....اور وہ "دہشت سے ڈر کر" بھاگتے ہیں۔آوارہ وطن ہو کر اہل و عیال سے محروم ہو گئے ہیں"۔اور دنیا کے "گوشوں میں سے" کسی مخفی گوشے میں پڑے ہیں....اور.... "زمین! باوجود اپنی وسعت کے" اِن پر تنگ ہو گئی ہے۔اور وہ.....نہ تو کوئی تدبیر جانتے ہیں اور نہ ان کو راہ نجات و جائے پناہ معلوم ہے۔اور میں ان تمام باتوں سے امن و امان میں ہوں۔

پس اے خداوند عالم .....تو لائق ستائش ہے اور ایسا قادر مطلق کہ.....کبھی مغلوب نہیں ہوا۔

اور ایسا صاحب تحمل .....کہ کبھی جلدی نہیں کی!

پروردگار "درود اور سلام" نازل فرما محمدﷺ اور آل محمدﷺ پر......

اور.....مجھے اپنی نعمتوں کے "شکر کرنے والوں" میں داخل کر!

اور.....مجھے اپنی نعمتوں کے "ذکر" کرنے والوں میں "شمار کر"!!

اور مجھ پر "اپنی رحمت کے صدقے میں" رحم نازل فرما۔

اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے مہربان "تجھے تیری عزت کی قسم ہے"

اے کریم میں ضرور طلب کروں گا "اُن نعمتوں کو" جو تیرے پاس ہیں اور گڑگڑاؤں گا تیرے حضور میں۔

اور ہاتھ پھیلاؤں گا تیرے سامنے..... باوجودیکہ ''اِن ہاتھوں سے تیرے جرم کیے ہیں''

اے میرے پروردگار..... بجز تیرے ''کس سے'' پناہ مانگوں اور کس طرف پناہ چاہوں۔ میرے لیے کوئی نہیں سوا تیرے!

.....آیا کہ تو مجھے پھیر دے گا حالانکہ ''تو ہی'' میری اُمید گاہ ہے اور تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔

میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں ''اُس نام پاک'' کے ذریعہ..... جسے تو نے آسمانوں پر رکھا تو وہ ٹھہر گیا۔

اور زمین پر رکھا تو اسے قرار ہوا۔

اور پہاڑوں پر رکھا تو وہ بلند ہوئے!

اور رات پر رکھنے سے وہ تاریک ہوئی۔

اور دن پر قائم کرنے سے وہ ''روشن ہوا''

میرے خدا... میری تمام حاجتوں کو پورا فرما اور میرے تمام گناہوں کو بخش دے۔

''کشائش'' عطا فرما مجھ پر ''میرے رزق سے'' تا اینکہ اِس سے مجھے ''شرافت دنیا'' اور ''آخرت'' حاصل ہو۔

اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے

اے مہربان

اے آقا..... میں تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں!

پس پروردگار درود نازل فرما محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ پر اور میں تجھ سے ہی طالب ہوں ''نیک اجر کا''۔ پروردگار مجھ کو اپنی نعمتوں کے شکر ادا کرنے والوں'' میں شمار کر اور اپنے احسانات کا ذکر کرنے والوں میں......... آمین۔

دُعائے جوشن صغیر کے ان گرانقدر فقروں کے ذریعے ''توفیق شکر'' کی اس بصیرت افروز وضاحت کے بعد میں حضور قلب سے دست بدعا ہوں کہ توفیقِ دعا' توفیقِ شکر اور توفیقِ استغفار، آپ کی ان سب توفیقات میں خدا وندعالم مُسلسل اضافہ فرمائے۔

آمین! ثم آمین!!

## بخشش:

اے میرے خالق.... میں تجھ سے طلب مغفرت کرتا ہوں!

اے وہ کہ جس نے میرے وجود کا آغاز فرمایا اور میری پرورش کا سامان بھی کیا' میرے حق میں ہر طرح کی نیکی بھی کی اور مجھے غذا دینے کے اسباب بہم پہنچائے' جیسے تو نے کرم کی ابتدا کی تھی اور جس طرح پہلے سے میرے حق میں نیکی کرتا آرہا ہے...... ویسے ہی برقرار رکھ....

''ماخوذ از دُعائے کمیل''

- ارشاد فرمایا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہ:

جس کو خداوند عالم استغفار کی توفیق عطا فرمادے وہ ''مغفرت'' سے محروم نہیں رہ سکتا۔

# مقصد حیات

حضرات! میں آپ سب کی درازیٔ عمر کی دُعا اُس معبود حقیقی سے کرتا ہوں.....جسکا خوف انسانی دانائی کا.....نقطۂ آغاز ہے—— اللہ آپ سب کو حضرت خضرؑ کی عمر عطا فرمائے —— مگر یہ زندگی.....یعنی ہماری مدت حیات....طویل ہو یا مختصر......سوال یہ ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے!

روز قیامت پر یقین رکھنے والے اشخاص کے لیے ''حیات'' نام ہے ''ایک دی گئی مدت میں'' اُس راہ استوار پر چلتے رہنے کا.....جو ہمیں..اُس خالق یکتا تک پہونچادے جس نے ہمارے جسموں میں روح پھونک دی۔اور مقصد حیات ہے ''اُسی اللہ کی عطا کردہ فلاحی صلاحیتوں کو اسقدر فروغ دے دینا کہ شیطانی وسوسے محو ہو جائیں.....یقین کو اتنا کامل کر لینا کہ شکوک فنا ہو جائیں۔

رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ معصومینؑ نے اپنی زندگیاں صرف کر دیں ہمارے لیے اُس راہ کی نشاندہی کرنے میں جو ''ہمارے نفسوں کی طہارت'' اور ''روح کی بلندی'' کی ضامن ہے......وہ طہارت نفس جو صرف اور صرف فلاحی صلاحیتوں کے فروغ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

فلاحی صلاحیتوں کا فروغ....طہارت نفس اور روح کی بلندی.....یہ سب منحصر ہے ہماری مادی زندگی کی طہارت اور نفاست پر....اِس لیے مقصد حیات کو سمجھنے کے لیے لازمی ہے ''اِس مدت حیات کے بارے میں اُن صحیح تصورات کا قائم کرنا جو زندگی کو با مقصد بناتے ہیں!

آیئے سب سے پہلے ہم اپنی خلقت کو سمجھنے کی کوشش کریں جو ایک مشکل مرحلہ ہے۔

اِس کے لیے میں آپ کے سامنے خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقبول کے ایک ایسے عابد وزاہد کے خیالات رکھنا چاہتا ہوں جس کی طہارت نفس ...اور ''بلندئ روح'' کی قائل دنیا کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ اس عابد وزاہد کا اِسم گرامی ہے... ''علی ابن الحُسین'' اور القاب ہیں سید سجاد اور زین العابدینؑ!

آپ فرماتے ہیں کہ.... تمام تعریفیں اُس معبود برحق کے لیے ہیں جس نے پسند کی ہمارے لیے اچھی صورت اور قوت سلطنت کی وجہ سے ہم کو تمام خلق پر فضیلت دی۔ پس اُس کی قدرت سے تمام اس کی مخلوق ہماری مطیع ہوگئی۔ اور اُس کی عزت کی وجہ سے ہماری اطاعت میں آگئی۔

......اور تمام تعریفیں ہیں اُس معبود برحق کے لیے جس نے ''سوا اپنے'' اور سب کی طرف احتیاج کے دروازے بند کر دیے۔

سید سجادؑ آگے فرماتے ہیں کہ عاجز ہیں خیالات تعریف کرنے والوں کے کہ اس نے اپنی قدرت سے خلق کو جیسا چاہیے پیدا کیا۔ ''اُنہیں اپنی مشیت سے'' جیسا چاہا ایجاد کیا۔

پھر اُن کو اپنی مشیت کے راستے پر چلایا۔

اور اُنہیں اپنی محبت کی راہ میں مبعوث کیا۔

اور ہر روح کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ اور اس کے واسطے ایک حد معین کر دی جس کی طرف وہ اپنی زندگی کے دنوں کے ذریعہ سے چلتا ہے اور اپنے زمانے کے برسوں سے اس کو جلدی جلدی قطع کرتا ہے۔

اور جب اس کی انتہا کو پہونچتا ہے اپنی عمر کے حساب سے تب اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے تا کہ..نیکوکاروں کو بدلہ دے ''اپنے زیادہ ثواب سے''

اور بدکاروں کو اُن کا بدلہ دے ڈرائے ہوئے عذاب سے!

سید سجاد علیہ السلام آگے فرماتے ہیں کہ:

تمام تعریفیں ہیں ''اُس معبود برحق'' کے لیے جس نے اپنے فضل سے ہمیں غنی کر دیا اور اپنے احسان سے ہمیں بے پروا کیا، پھر اس نے حکم دیا.... تاکہ ہماری اطاعت کا امتحان لے ... اور منع کیا تاکہ ہمارے شکر کو جانچے ... پس! ہم اُس کی راہ سے پھر گئے اور ... ''ممانعت کی پشت پر سوار ہوئے''!

... پھر بھی اُس نے ہم پر فوراً عذاب نہیں کیا اور ہم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی ——— بلکہ تامل کیا... اپنی رحمت سے ... زیادتی کرم کے سبب!

اور منتظر رہا ہماری واپسی کا... اپنی مہربانی سے ....... اپنے حلم کے سبب!

امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کے یہ فقرے سننے کے بعد آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس سرائے فانی میں اشرف المخلوقات کے پڑاؤ کا مقصد کیا ہے۔ ہماری یہ مدت حیات کتنی اہم ہے... اور ساتھ ہی یہ بھی اندازہ ہوا ہو گا کہ اپنے ''مقصد حیات'' سے چشم پوشی کرنے والا اور اس مدت حیات کو رائیگاں کر دینے والا کس قدر خسارے میں رہے گا۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ:

ہر شخص سوچے اور تعین کرے کہ اس دار فانی سے گزرتے وقت اُسے کیا اثاثہ مہیا کرنا ہے اور کہاں دامن بچانا ہے۔ وہ کون سی راہیں ہیں جو ہمیں خالق کون ومکاں کی پناہوں میں واپس پہونچا دیتی ہیں اور وہ کون سی منزلیں ہیں... جو اِس راہِ استوار کی پہچان ہیں!

کسی بزرگ کا قول ہے: کہ یہ زندگی ہمیں اس لیے نہیں عطا کی گئی ہے کہ ہم اِسے اُن اشغال میں صرف کر دیں.... جو ہمیں... موت کے وقت۔ اِس دنیا میں ہی چھوڑنے پڑیں گے!

میرے معروضات کا خلاصہ یہ ہے کہ اِس چند روزہ زندگی کے ''مشغول'' تھکا دینے والے۔ ''بوجھل'' اور مادی وقفہ حیات میں ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن لمحات کی اہمیت کو محسوس کریں جو ''حیات ابدی'' کو حاصل کرنے کی جستجو میں صرف ہوتے ہیں ......... ہمیں ان

لمحات کی ''عظمت'' کو ذہن کی تمام تر وسعتوں اور دل کی بے پناہ گہرائیوں سے محسوس کرنا چاہیئے جو عبادت ''معبود برحق'' کی راہ میں صرف کیے جائیں۔ یہی وہ لمحات ہیں جو ہم کو ہماری مادی کثافتوں اور شر شیطانی سے نکال کر قرب الٰہی کا شرف بخش دیتے ہیں!

یہی زندگی کا ماحصل ہے!!

اور بس یہی ہے ''مقصد حیات کی شاہ راہ کی پہلی منزل'' جس کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں وہ نوجوان اور بزرگ جو اَللہ کے گھر سے دن رات آوازیں بلند کرتے ہیں .... حیّ علی الصلوٰۃ، حیّ علی الصلوٰۃ چلو اُس اَللہ کی طرف آجاؤ جس کے احسانات بہت ہیں اور..... جو منتظر ہے تمہاری واپسی کا! یقیناً کامیاب اور کامران ہیں وہ لوگ جو عبادتوں کا حق بہ رضا و رغبت ادا کرتے ہیں! اَللہ کی حضور میں بیٹھ کر اپنی زندگی کے فیصلے اس کی مدد سے کرتے ہیں جو سب کچھ جاننے والا ہے۔

وہ فلاح و بہبود کی دُعائیں اُس رب سے کرتے ہیں، جس نے انہیں دعوت دی اس راہ پر آجانے کی، اور جس نے خود وعدہ کیا قبولیت دعا کا۔

حضرات! میں اپنے دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہوں کہ ''پروردگار عالم'' ہم سب کو اُس فلاح و بہبود کی راہ پر گامزن فرمائے جس کی طرف موذن ہمیں پکارتا ہے حیّ علی الفلاح، حیّ علی الفلاح کہہ کر.....کیونکہ یہی حیّ علی الفلاح ہماری شاہ راہ حیات کی دوسری منزل ہے!

بندہ مومن جو شاہ راہِ حیات کی ''پہلی منزل'' یعنی حیّ علی الصلوٰۃ کو بہ رضا و رغبت لبیک کہتا ہے' اپنے آپ کو اللہ کی حضوری میں پیش کرتا ہے..... اور اللہ کی عطا کردہ ''فلاحی صلاحیتوں'' کو فروغ دیتے رہنے کا شعور بھی رکھتا ہے اُس نے گویا...... ''اللہ کی رضامندی کو اپنے عروج کا زینہ مقرر کرلیا''۔ ایسے مرد مومن کو فلاح و بہبود سے روکنے کی طاقت کسے ہوگی۔

پروردگار عالم کی عطا کردہ فلاح و بہبود مستحکم ہے۔

سکون خاطر کی افزائش کرنے والی ہے۔

یقیناً...... اِس شاہ راہ حیات کی یہ دوسری منزل بہت سخت ہے اور ''اِس منزل میں''
ثابت قدم رہنا اور اس دور میں اپنے آپ کو ''شیطانی وسوسوں'' کی آماجگاہ بننے سے بچائے
رکھنا ثبوت ہے:

حق شناسی کا، اور راستہ ہے نجات کا!

مگر افسوس! یہی وہ منزل جسے اکثر لوگ ''زندگی کا ماحصل'' سمجھ لیتے ہیں اور کبھی
غفلت سے تو کبھی قطعی عدم واقفیت کے سبب.... اپنی تمام گذشتہ ریاضتوں پر پانی پھیر دیتے
ہیں! یقیناً قابل تحسین ہیں وہ افراد جو حصولِ فلاح ونجات کی راہ میں ثابت قدم رہتے اور
اس شاہ راہِ ارتقا کی تیسری اور آخری منزل کی طرف ''رواں دواں'' رہتے ہیں اور موذن
کے اس آخری ''نعرہ خیر العمل'' پر بھی لبیک کہتے ہیں کیونکہ ''خیر عمل'' ہی اس شاہ راہ کا
آخری پڑاؤ ہے.... جس کے آگے بس اللہ ہے اور اللہ کی بے کراں رحمتیں!

مقصد حیات کی شاہ راہ کی .... اس تیسری اور آخری منزل جسکی نشاندہی موذن کرتا
ہے حیّ علی خیر العمل کہہ کر بڑی اہم ہے... اور اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا
سکتا ہے کہ:

''**خیر العمل**''...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا وہ نظام ولایت ہے۔ جس کے تحت یہ
پوری کائنات اپنا سفر ارتقا پورا کر رہی ہے۔

''**خیر العمل**'' کی معنویت بھی بہت وسیع ہے اور اس کا دائرہ عمل بہت وسیع ہے!
اسی لیے اس کو سمجھنے اور سمجھانے اور ''عملی زندگی'' میں برتنے کی ضرورت ''بہت شدید ہے''!

روایات میں آیا ہے جب رسول اللہ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لے جارہے تھے
اور آپ نے بحکم پروردگار مقامِ غدیر خم پر۔ ولایت حضرت علیؑ کا اعلان کرنے کے لیے
پڑاؤ ڈالا تھا اور تمام لوگوں کو اکٹھا کرنے کا حکم فرمایا تھا تو اِس عظیم الشان تاریخی موقع پر بلانے

والے ''حیّ علیٰ خیر العمل''، ''حیّ علیٰ خیر العمل'' کہہ کر ہی لوگوں کو پکار رہے تھے۔

''خیر العمل'' کی معنویت کو سمجھنا اور سمجھانا اور عملی زندگی میں اس کو برتنے کی ضرورت کتنی شدید ہے اس کا اندازہ آپ خود کریں۔ غدیر خم کا پورا واقعہ آپ کے سامنے ہے!

یاد رکھیے یہ خیر العمل ہی ہے جو مستحکم کرتا ہے ''فلاح و بہبود کو''

——اوج عطا کرتا ہے ''سکون خاطر کو''

——نور بخش دیتا ہے ''جبینوں کو''

——یہاں تک کہ استحقاق دلواتا ہے ''شرف قربت الٰہی کا'' اس طرح! یہ خیر العمل ایک انتہائی اہم جز ہے ''تکمیل مقصد حیات انسانی'' کا جس کے ذریعہ آپ اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اُس نظام ولایت میں ضم کر سکتے ہیں، جس کے تحت کائنات الٰہی اپنا سفر ارتقا پورا کر رہی ہے۔

خیر العمل سے منہ موڑنا ''نظام قدرت'' کی نفی ہے!

——ہم شکر گزار ہیں اُن نوجوان اور بزرگ اذان دینے والوں کے جو دن رات اللہ اور رسول کو پہچنوانے کے ساتھ ہمیں ''ہمارے مقصد حیات کو سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حیّ علی الصلاۃ، حیّ علی الفلاح اور...... ''حیّ علی خیر العمل'' کی صدائیں بلند کر کے۔

اور ساری حمد وثنا ہے اُس خدائے بزرگ اور برتر کے واسطے جس نے اپنی معرفت کی راہیں ہم پر آسان کر دیں:

☆ کبھی قربتاً اِلی اللہ کو عبادتوں کا جز بنا کر!

☆ تو کبھی پوری زندگی کا فلسفہ اذان کے دو چار جملوں میں سمیٹ کر!

والسلام

## بصیرت:

پاک ہے اس کی ذات جو چشم بصیرت سے قریب مگر بصارت کی حدوں میں نہیں آسکتا۔

وہ جس نے امن وعافیت کے گہوارے میں سکھ چین سے سُلایا اور پھر
اپنے فضل وکرم سے رچے ہوئے ماحول میں جگایا۔

''ماخوذ از دعاے صباح''

- فرمایا امام جعفرؑ صادق نے کہ:

دل کی آنکھ عبادت سے کھلتی ہے' اُس کی رسائی لامکاں تک ہے اور کائنات کا کوئی راز اس سے پنہاں نہیں۔

# عرفان توحید

ساری حمد وثنا ہے اُس خالق یکتا کے لیے جس کے اعجاز نے........

ایک چھوٹے سے گوشت اور پوست کے انسانی وجود کو.........

اور اس مادی جسم وجسمانیات کی تخلیق کو.............

''غیر مادی صلاحیتوں'' سے نواز کر.............''غیب کی طاقت اور قوت''

سے روشناس کرادیا۔

یہ غیب کی طاقتیں بس اُن ہی کو فائدہ مند ہوئیں جو اِن کو شناخت کر سکے۔

.........جنہوں نے اپنے نفسوں کو آلودگی سے بچالیا

.........اور جہاں ''عرفان الٰہی'' کی تحقیق اِن کی مشعل راہ بنی رہی۔

پروردگار عالم نے اِس خلقت عالیہ کو''با اختیار'' بنا کر دو حقیقتوں سے متعارف کرادیا!

ایک طرف گوشت اور پوست کا جسم اور اسکی بے انتہا ضروریات!

تو دوسری طرف نگاہوں سے اوجھل روح اور اسکے احسانات!!

جسم ہر طرح سے روح پر منحصر مگر قدردانی اعضائے جسمانی کی۔

اور''ناقدری''۔اُس روح کی جس کی توانائی پر''جسم کی سکت'' کا مکمل انحصار!

حضرات آپ سب جانتے ہیں کہ اس سرائے فانی میں قدم رکھنے والا ہر نوزائیدہ بچہ

دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔جس کا باطن ہر آلودگی سے پاک ہوتا ہے۔

مگر افسوس!''طہارت نفس''......''عرفانِ الٰہی''......اور''غیب کی صلاحیتیں'' سلب

ہوتی چلی جاتی ہیں اسکی بڑھتی عمر کے ساتھ......موجود کا وجود''بوجھل'' اور''باطن'' آلودگی

سے ''متزلزل'' ہوتا چلا جاتا ہے۔

اس کا مادی جسم دبی کچلی روح ..... اور مردہ ضمیر کے ساتھ محض ایک مادہ پرست خلقت بن کر رہ جاتا ہے۔ حقیقی زندگی اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے!

دراصل یہ ''حقیقی زیست'' اُن کا مقدر بن جاتی ہے جنھوں نے اپنے عقل وشعور سے ''معرفت الٰہی کو'' دل سے نزدیک اور ''احکام الٰہی'' کو اپنی ''اشد ترین'' مادی ضروریات سے اوپر رکھا۔

☆ اور یہی ہے ''عرفان توحید'' کی پہلی منزل!

ساری حمد وثنا ہے ''اس خالق یکتا'' کے لیے جس نے خود اپنی معرفت کی راہیں خردمندوں کے واسطے نہ صرف سہل کر دیں، بلکہ یہاں تک اشارہ کر دیا کہ ''ہیولیٰ انسانی'' کو عطا کی گئیں غیب کی طاقتیں ''بے انتہا وسیع'' اور مستحکم ہیں اور خود اس کے قیاس کی حدوں سے بہت آگے!! تاریخی واقعہ ہے۔

علم وکمال رکھنے والے حضرات سے تخاطب ہے، اس لیے واقعے کی تفصیل میں نہ جا کر صرف آپ کی توجہ مبذول کرانے کے لیے ''ناصر میرٹھی'' کے دو مصرعے دُہرانا چاہتا ہوں! عرفانِ الٰہی سے سرشار آپ حضرات میرا مطلب بہ آسانی سمجھ لیں گے وہ کہتے ہیں کہ:

قوت جسم کو کچھ دخل نہیں ..... اے دنیا!
''قوت نفس'' کے ہاتھوں پہ تھا باب خیبر!!

..... بے شک یہ اُسی عرفان الٰہی کی طاقت ہے جس سے سرشار مولا علیؑ کی غیبی قوتیں انسانی سوچ سے ہمیشہ بالاتر رہیں! ..... کیا یہ بات ''غور طلب'' نہیں کہ وہ تیر جو آپ کے جسم مبارک میں بری طرح پیوست ہو گیا تھا اور کسی تدبیر نہ نکالا جا سکا ..... بہ آسانی جسم سے الگ کر لیا گیا جب آپ ''اُس خالق یکتا'' کی عبادت میں مصروف تھے ..... جو ہم سب

کو رنج و مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔

یہ ہے احساس بندگی کی دلیل اور ربّ ذوالجلال والاکرام، خالقِ کُل کائنات کے تئیں خودسپردگی کی اعلیٰ ترین مثال۔!

☆☆ اور یہ ہے ''عرفانِ توحید'' کی دوسری منزل!!

یقیناً...... یہ انہی حضرات کے ''بلند عرفانِ توحید'' کی کرنیں ہیں جن سے ''یہ دنیا'' تا قیام قیامت روشن رہے گی اور آنے والی نسلیں فیضیاب ہوتی رہیں گی۔

اِس ''عرفانِ توحید'' کی وہ شمع جس کی حفاظت ''حضرت آدم تا خاتم'' ہر زمانے کے پیغمبروں کے سپرد رہی، ہمارے رسول مقبولؐ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی ضوفشاں ہوئی کہ خطہ عرب کا شہر ''شہر مدینہ'' دنیا بھر کے ''مسلم کہلائے جانے والے افراد'' کے لیے زیارت گاہ اور ''مکہ معظّمہ'' قبلہ گاہ بن گیا۔

یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ رسول مقبولؐ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت اطہارؑ نے ریگ زار عرب میں باوجود نامُساعد حالات کے اور باوجود بے انتہا مصائب کے ''غیب کی آوازوں'' کو لبیک کہا ''عرفانِ توحید'' کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھا اور ''عرفانِ الٰہی'' کا نور نہ صرف خطہ عرب میں بلکہ ساری دنیا میں اسطرح پھیلا دیا جس طرح پھیلانے کا حق ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ حضرات دن رات حدیثیں اور وعظ سنتے رہتے ہیں!

''عرفان الٰہی'' کی دو منزلوں کی نشاندہی کرنے کے بعد یہ تعیّن کرنا کہ اس کی حدود کیا ہیں اور اس کی آخری منزل کہاں ہے میرے جیسے ''بندۂ عاصی'' کے لیے ایک مشکل مرحلہ بن گیا تھا' اس لیے میں نے پھر ایک بار اُسی گھرانے کا رُخ کیا' جن کی ''نصیحتیں'' آج چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی ''اس بھٹکتی'' دنیا کی راہ بری کے لیے موجود ہیں اور چشم زدن میں مولا مشکل کشا کا ایک قول میرے ذہن میں ابھر آیا۔

درود بھیجیں مولائے مُتقیان حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ پر......آپ فرماتے ہیں کہ
''میرے اور اللہ کے درمیان جو پردے ہیں وہ ہٹا بھی دیے جائیں تو میرے یقین میں کوئی
اِضافہ نہیں ہوگا''۔

☆☆☆ اور یہی تو ہے ''عرفانِ توحید'' کی آخری منزل.........!!!

یہ عرفانِ توحید کس طرح پھیلا اور پھیلتا ہی چلا گیا' آیئے اس کا بھی ایک سرسری
جائزہ لے لیں اور اس کے لیے اب میں آپ حضرات کی توجہ کچھ تاریخی حقائق اور اُن سے
اخذ کیے گئے نتیجوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ یہ اقتباسات اُن غیر مسلم حضرات کی
تحریروں سے ہیں جنھوں نے رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ اور ائمہ معصومینؑ کی
زندگیوں کے اور ان کی کارگزاریوں کے گہرائی سے مطالعے کیے اور اپنی ان کاوشوں میں
اکثر مورخین ''مشرف بہ اسلام بھی ہوگئے''!!! ''حق کی راہ ہے ہی کچھ ایسی!'' یہاں غیب کا
وجود اس کی طرف پیش قدمی کرنے والے کو اپنے آپ نظر آنے لگتا ہے اور ایک ذراسی
کوشش ''اس عرفان'' کی روشنی اور اس سے متصل ''صراطِ مستقیم'' کی راہ نمائی کر دیتی ہے۔

ملاحظہ ہوں مشہور مؤرخ کارلائل کی تحریروں سے اخذ کئے گئے اقتباسات کے یہ
اردو ترجمے جو میں نے جناب نسیم امروہوی کی جمع کردہ صحیفہ کاملہ سے لیے ہیں۔ مؤرخ
کارلائل پیغمبر اسلام کے حوالے سے کہتے ہیں کہ...... ''ایمان ویقین کی دولت بہت بڑی
دولت ہے'' اور قوموں کے اندر ''نئی روح'' اور ''نئی زندگی'' ایمان ویقین سے ہی پیدا ہوتی
ہے۔ یہی محمد ﷺ تھے ...... اور یہی عرب...... اور یہی ایک صدی کا زمانہ۔ مگر جب اس
خاکِ عرب سے ایک شرارہ اُٹھا تو دیکھو وہ آناً فاناً کس طرح آسمان تک پہنچنے والے شعلوں
میں تبدیل ہوگیا۔

''یہ بات'' بغیر کسی تردد کے کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان نویں صدی سے تیرھویں صدی
تک ''جاہل اور گمراہ' یورپ کے ''روشن ضمیر معلم'' رہے۔

یہ تھے مادہ پرست دنیا کے ایک روشن ضمیر مورخ کے پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات کے بارے میں خیالات۔ یہی مورخ ''حق پسندی'' اور ''غیب کی طاقتوں'' پر بھروسہ رکھنے والے اہلبیت اطہارؑ کے بارے میں رقمطراز ہے کہ:

''محمد ﷺ عربی کے عقل وشعور اور ان کی ''روحانیت کا نور'' طویل زمانے تک صرف اس طرح دنیا کے بہت بڑے حصے پر چمکتا رہا اور آج بھی چمک رہا ہے کہ پیغمبر اسلام کے روحانی وارثوں یعنی ائمۂ اہل بیتؑ نے اسلام کی ''مادی فتوحات'' کے زمانے میں اپنی حیرت انگیز ''علمی فتوحات'' کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور عین اس زمانے میں جب دنیا بھر کی دولتیں مسلمانوں کے قدموں پر آپڑی تھیں اور حکمران طبقے دنیا کی کیچڑ میں گلے گلے غرق ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے مسلم عوام کو، جو اسلامی معاشرے کی حقیقی بنیاد ہیں، روحانیت کی طرف سے غافل نہ ہونے دیا...... ورنہ! بہت ممکن تھا کہ دنیا کی لالچ اور بڑھتی ہوئی دنیاوی فتوحات کی حرص، پوری ملت اسلامیہ کو ایک ایسی مادہ پرست جماعت میں تبدیل کر دیتی، جس کے سامنے روحانی ترقی کا کوئی نصب العین نہ ہوتا۔

اس طرح اسلام بھی ایک ایسا ہی ''عقیدہ بے روح'' بن کر رہ جاتا جس کی مثال آج دوسرے الہامی مذاہب پیش کر رہے ہیں۔۔۔ ائمۂ اطہارؑ نے جن حالات میں ''رُشد وہدایت'' کے فرائض انجام دیے ہیں... آج اس کا اندازہ آسان نہیں۔''

ہم شکر گزار ہیں جناب کارلائل کے جنہوں نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے عقل وشعور کو اور ان کی روحانیت کے نور کو اور پیغمبر اسلام کے روحانی وارثوں کی علمی فتوحات کو سمجھا، پہچانا اور اس قدر موثر طریقے سے بیان کیا۔ بے شک پیغمبر اسلام ایسے ''نور مجسم'' تھے کہ مادی روشنیاں اُن کے جسم کا سایہ تک بنانے سے قاصر تھیں۔۔۔۔۔۔۔۔ کیا کہنا اِس نور مجسم اور اِن کے روحانی وارثوں یعنی اہل بیت اطہارؑ کی ''علمی فتوحات'' کا جس نے روحانی ترقی کی راہیں تا قیامت اللہ کو ماننے والوں اور اُس سے رجوع کرنے والوں کے

لیے روشن کردیں۔

پروردگار عالم ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ کے ان عظیم روحانی وارثوں کے صدقہ میں:

تو ہمارے گناہوں کو بخش دے

ہمارے ذہنوں کو روشن اور قلوب کو پاک وپاکیزہ کردے

اور ہمیں اِس عرفان کی بہتر سے بہتر منزلوں تک پہونچنے کی صلاحیت اور توفیق عطا فرما! آمین

مزید برآں اس توفیق اور صلاحیت کی باریابی کے لیے پروردگار ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں اپنے چوتھے امام، امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا ''وحدتِ مطلقہ'' کے ان فقروں کو اپنی زبان سے دوہرا کرکہ:

''وہ معبود تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے ہمیں اپنی معرفت کرائی اور اپنے ''حمد وشکر'' کا طریقہ ہمارے دلوں میں ڈالا ۔۔۔۔۔۔۔ ایسی ''حمد'' کہ مقابلہ کریں ہم جن کی بدولت خداے تعالٰی کے ملائکہ مقربین کا ..... اور مل جائیں اسکی بدولت ''انبیائے مرسلین'' سے اُس قیام کے گھر میں جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اِنشاءاللہ

والسّلام

## توفیق:

آیت اللہ محمد مہدی آصفی اپنی کتاب ''المذہب التاریخی فی القرآن الکریم'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس کی بارگاہ سے رحمت ''توفیق'' کی شکل میں بے حساب نازل ہوتی رہتی ہے۔ البتہ اِس سے صرف وہی لوگ محروم رہتے ہیں، جن کا نفس بداعمالیوں کے باعث گھاٹے میں ہے...اور جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے باطن اور ظرف کو اس کے حصول کے قابل نہیں بنایا۔

......جب کہ ان کے برخلاف صاحبانِ ایمان اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق اِس نعمت سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں۔

''توفیق جیسی نعمت'' پانے والے افراد بھی برابر نہیں ہوتے بلکہ استحقاق، صلاحیت، لیاقت اور ظرف کے اعتبار سے اِن کی توفیق کے مراتب و درجات بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔

''خواہشیں۔مجمع جہانی اہلبیتؑ۔مترجم سید کمیل اصغر زیدی، ص ۳۲۶۔۳۲۷''

- فرمایا حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے کہ:

عاقل جب کوئی چیز جان لیتا ہے تو اس پر عمل کرتا ہے۔

# ''حصولِ توفیق''

''شکرانِ نعمت'' اور............

''ادائے شکرِ الہیٰ''.. یہ اعمال ایسا فریضہ ہیں جو ''ثواب دارین'' کے ساتھ ساتھ ''حصول توفیق'' کی راہ کا پہلا قدم......اور ''معرفت الہیٰ کا سرچشمہ ہیں!

''معرفت الہیٰ انسان میں موجود ''روحانی قوتوں'' کو متحرک کردیتی ہے!

''شکرانِ نعمت'' اور ''معرفت الہیٰ'' نہ صرف انسان کی روحانی قوتوں کو متحرک کرتے......اوران کی افزائش کرتے ہیں...... یہ ذہن انسانی کو ''حق وباطل'' کے درمیان فرق کرسکنے کا شعورعطا کردیتے ہیں!

......اور یہی وہ معارف ہیں جن کی برکتیں انسان کو ''پرشکوہ'' ''باوقار'' اور ''کامل'' بناتی ہیں!

ان توفیقات کی حصولیابی کا واحد ذریعہ ''مذہب'' ہوا کرتا ہے مگر افسوس! اس دارفانی میں روزِازل سے آج تک جتنے مذاہب رونما ہوئے......ان کے پیروی کرنے والے ''سچی تعلیمات'' پر قائم نہ رہ سکے۔ اورانہوں نے...... کسی نہ کسی وقت ''مادہ پرستی'' میں ملوث ہوکر سیاسی جامے پہن لیے...... ''دنیا طلبی'' اور مادہ پرستی کی ہوا نے ''روحانی قدروں'' سے وابستہ ''فہم وفراست'' کو منجمد اور مذہبی ''رجحانات'' کو بے معنی کرڈالا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مذہبی اصولوں کی ناقدری اور ''روحانی بے حسی'' کسی فرد واحد کو وقتی فائدہ پہونچادے...... یہ ''وجود انسانی'' کو کارگاہ قدرت کی شادمانیوں سے دوراور توفیقات الہی سے محروم کردیتی ہے.........اور شاید یہی وجہ ہو! کہ آج دنیا کے بچے کھچے ''الہامی

مذاہب'' بھی عقیدہ ہائے بے روح نظر آتے ہیں۔

''حقیقی اسلامی تعلیمات''...... نہ صرف یہ کہ ''انسانی اخلاق کی صحت'' کی ضمانت ہیں...... یہ انسانی تہذیب وتمدن کی معراج ہیں...... مگر! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر ''پیروانِ اسلام'' بھی بعد از رحلت رسول مقبول ﷺ حقیقی اسلامی تعلیمات پر زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے۔ اُمت مسلمہ فرقوں میں بٹ گئی نتیجتاً...... ''مذہب اسلام'' کی عظمت اور اسکے روحانی اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

......اس دین محمدیؐ میں جن حضرات نے حضرت علیؑ جیسے باخبر اور ماہر علوم دینی ودنیوی کو اپنا رہبر مانا''...... وہ طلوع دین محمدیؐ سے آج تک مشکل سے مشکل ادوار میں بھی تلاش حق سے منحرف نہ ہوئے۔ ایسے ہی ایک حق شناس...... سید قائم رضا نسیم امروہوی صاحب کا ترتیب کردہ 'صحیفہ کاملہ'' جسے'' زبور آل محمدؑ'' بھی کہتے ہیں نظر سے گذرا......

حصول توفیقات کا انحصار دعاؤں پر بھی ہوتا ہے اور جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں صحیفہ کاملہ حضرت زین العابدینؑ کی دعاؤں کا ایک بے مثال ذخیرہ ہے...... اور چونکہ میں نے اس دعا کے کچھ حصوں کا ترجمہ بھی اِسی کتاب سے لیا ہے، جو امامؑ اپنے والدین کے لیے کیا کرتے تھے...... اس لیے...... مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفے کے مقدمہ یعنی پیش لفظ کی کچھ سطریں بھی یہاں پر شامل کرلوں۔ مقدمہ کا عنوان ہے ''مسلم قوم کا سرمایہ افتخار...... مادی فتوحات ہیں یا...... علمی اور تبلیغی کارنامے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ: ''آج جب دنیائے اسلام زندگی اور بیداری کے ایک نئے موڑ پر آچکی ہے...... اور مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام اسلامی دنیا میں...... ''نئے سیاسی شعور'' نئی قومی بیداری اور نئے دینی احیا کی برق رفتار لہریں دوڑ رہی ہیں...... اس امر کی ضرورت اور بھی شدید ہوگئی ہے کہ ملت اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے اس یادگار مرحلے پر...... تاریخ اسلام کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے...... اور ان ''تحریکوں'' کی نشاندھی کی جائے جو پچھلے تیرہ سو سال سے

''روح اسلامی'' کی احیا کا باعث ہوئی ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ......جس طرح نہج البلاغہ قرآن پاک کے بعد ''ملت اسلامیہ'' کی روحانی تطہیر اور عقلی تنویر کا ذریعہ رہی ہے بالکل اسی طرح سے ''صحیفۂ کاملہ'' بھی صدیوں سے عرفان الٰہی۔ معرفت بشر......تزکیہ نفس......تعلق باللہ......اور ''تلقین و تعلیم اخلاق'' کا ایک مہتمم بالشان وسیلہ ثابت ہوا ہے!

اہل اسلام کی اس فکری اور روحانی بیداری کا ذکر کرتے ہوئے آپ آگے............ فرماتے ہیں کہ......یہی وہ موقع ہے کہ ''تفکر فی القرآن'' کے بعد ہم زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ ''صحیفہ کاملہ'' کو اپنا موضوعِ فکر......اور مرکز مطالعہ بنائیں تا کہ ملت اسلامیہ کی حالیہ بیداری ''صحیح اسلامی نظریات'' کی آئینہ دار بن سکے۔ نسیم امروہوی صاحب کے اس گران قدر مشورے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے آیئے ہم اور آپ اس صحیفہ کاملہ میں درج اس دعا کے دو چھوٹے اقتباسات دہرالیں جو امام زین العابدین علیہ السلام اپنے والدین کے لیے کیا کرتے تھے اور وہ بھی اس تمنائے دلی کے ساتھ کہ پروردگار ہماری ''ان توفیقات'' میں اضافہ کر دے جو خدمت والدین بجالانے کے لیے لازمی ہوں۔ آپ میں سے وہ خوش نصیب حضرات جن کے سروں پر اُن کے والدین کا سایہ موجود ہے ان خیالات کو سمجھیں اور فائدہ اٹھائیں......اور وہ حضرات جو اس نعمت سے محروم ہیں امام کی تاسّی کریں اور یہ دعا کریں کہ:

......اے معبود میرے والدین کو اس بزرگی سے جو تیرے نزدیک بزرگی ہے......

اور......اپنی رحمت سے مخصوص کر دے۔......

اے اللہ! درود بھیج تو......محمدؐ اور آل محمدؐ اور ان کی اولاد پر اور میرے دل میں ڈال دے ''الہام کے ذریعہ سے'' ان باتوں کا علم جو کہ ان والدین کے لیے مجھ پر واجب ہے۔ اور میرے لیے ان سب باتوں کا ''مکمل علم'' جمع کر دے۔

......پھر اس بات کے لیے جو تو نے میرے دل میں ڈالی ہے،...... مجھے عمل پر آمادہ کر!

......اور مجھے توفیق دے چلنے کی اس علم پر، جو تو نے مجھے بتایا ہے۔ تا کہ جو کچھ تو نے بتایا ہے، اس پر عمل کرنا باقی نہ رہ جائے اور میرے اعضا ان حقوق کی ادائیگی میں گرانی محسوس نہ کریں!...... جنہیں تو نے میرے دل میں ڈالا ہے!!

پروردگار میں ان کی نیکی کو جو مجھ پر انہوں نے کی ہے! کثیر سمجھوں! چاہے وہ کم ہو"!

اور اپنی نیکی کو جو میں نے ان پر کی ہے قلیل سمجھوں! چاہے وہ کثیر ہو"!

..........معبود ان دونوں کے سامنے میری آواز کو ہلکا کر...... اور میری گفتگو کو ان سب کے لیے مودب بنا!

بے شک امام کی دعا کے یہ فقرے اس قدر پراز حکمت اور اتنے معنی خیز ہیں کہ اگر ان جملوں کی فصاحت پر غور کیا جائے تو پہلے ہی جملے میں مدعی اپنے والدین کے لیے نہ صرف دعا کرتا نظر آتا ہے بلکہ وہ ایک طرف تو اپنے والدین کی بزرگی کا اقرار کرتا ہے، پھر ان کی عظمت اور بزرگی میں اضافہ کی تمنا کرتا ہے یہاں تک کہ ان کو ایسی بزرگی عطا کر دینے کی اللہ سے دعا کرتا ہے جو خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک اعلیٰ ترین بزرگی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ "بزرگی" بجائے خود ایک ایسی صفت ہے جو انسان کی "خوبیوں" پر دلالت کرتی ہے۔ ہر عمر دراز یا بوڑھے آدمی کو "بزرگ" نہیں کہا جا سکتا ہے۔ اور اس معنی میں دعا کے اس ٹکڑے میں الفاظ کی ترتیب اسقدر جامع ہے کہ والدین کے واسطے صرف بزرگی عطا کئے جانے کی دعا کر لینا ہی باعث اطمینان محسوس ہونے لگتا ہے چہ جائے کہ "وہ بزرگی جو خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک بزرگی ہو" اور کمال استغاثہ یہ ہے کہ یہ دعا یہیں پر موقوف نہیں ہو جاتی اور اس کے آگے کا ایک چھوٹا سا فقرہ کہ "انہیں اپنی رحمت سے مخصوص کر دے" دلیل ہے مدعی کی وسعت النظری، انتہائے خلوص اور جذبہ احترام کی اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا

کہ امامؑ عالی مقام کی دعا کا یہ فقرہ اُن الہامی کیفیات کا حامل ہے جہاں تک ہر کس و نا کس کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی۔ امامؑ کی دعا کا ایک فقرہ عام طور سے کی جانے والی ہزاروں دعاؤں پر بھاری ہے۔

......یہ دعا کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ میں نے اِس دعا سے صرف دو چھوٹے اقتباسات اس تحریر میں شامل کئے ہیں اور ان میں سے پہلے اقتباس کے صرف ایک فقرہ پر ایک چھوٹا سا تبصرہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ پوری دعا تو بڑی بات ہے اگر اوپر کہے گئے انہیں چند فقروں کی وضاحت کی جائے تو کتابیں لکھی جا سکتی ہیں!

اس طرح ''صحیفۂ کاملہ'' ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جہاں......معرفت الٰہی، تزکیہ نفس اور یہاں تک کہ......''اصلاح معاشرہ'' یہ سب کچھ ہمیں یہیں سے حاصل ہو سکتا ہے۔

والدین کی خدمت اور احترام......یقیناً......ایک 'مفید' اور بڑا قابل قدر عمل ہے اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل کسی شرط کا پابند نہیں ہے۔ یہ عمل صرف اور صرف بر بنائے پابندئ شریعت لازم ہے۔ احترام والدین ضمانت ہے خوشنودئ پروردگار کی۔

......اور چونکہ حصول توفیقات منحصر ہے خوشنودئ پروردگار پر۔

......اس لیے ''حصول توفیقات'' کا امکان بڑھ جاتا ہے احترام والدین اور ان کی خدمتوں سے۔ بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ''حقوق والدین'' کی اندیکھی کرنے سے برکتین مفقود ہو جاتی ہیں، سلب ہو جاتی ہیں......تو غلط نہ ہوگا!

......مگر آج ہوا کا رخ دوسرا ہے۔ آج ایک اولاد کا اپنے والدین کے تئیں ''عدم احترام'' اور تنگ نظری کا جو عالم ہے کسی سے چھپا نہیں! یہ ایک عام رواج ہو گیا ہے۔

یقیناً......اِس ''عام رواج'' سے ہٹ کر ایسے افراد بھی موجود ہیں جو ماں باپ کی منزلت پہچانتے ہیں، ان کی بڑی قدر کرتے ہیں......مگر اس کو کیا کیا جائے کہ رسول مقبولؐ اور ان کے اہلبیت اطہارؑ سے عقیدت اور محبت رکھنے والے ہر فرد سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ

وہ ''علم اور عمل'' دونوں میں ممتاز ہو!

اس لیے آیئے ہم اور آپ مل کر امامؑ کی اس دعا کے چند دوسرے فقروں پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ہمارے اور آپ کے چوتھے امامؑ کا ''احترام والدین'' اور اُن کی خدمتوں کے سلسلے میں کیا عقیدہ ہے اور ان والدین کی قدر و منزلت آپ کی نگاہ میں کیا مقام رکھتی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

......یہ بات مجھ سے بہت دور ہے۔

نہیں پا سکتے وہ دونوں مجھ سے اپنا حق۔

......اور نہیں پوری طرح سمجھ سکتا میں ان کے اس حق کو جو مجھ پر واجب ہے! اور نہیں بجا لا سکتا میں ان کی خدمت کے شرائط۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

اے اللہ......مت بھولنے دے مجھے اِن کی یاد اپنی نمازوں کے بعد۔

اے اللہ...... رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے...... اِن کے لیے دعا کرنے کے صلہ میں بخش دے اور......انہیں میرے ساتھ نیکی کرنے کے کے عوض بخش دے!

اے میرے مالک! اگر پہلے پا لیا ہے تیری مغفرت نے ان کو، تو اُنہیں میری بخشش کی بابت سفارشی بنا۔ اور اگر تیری مغفرت پہلے مجھے پائے تو مجھے ان کا سفارشی قرار دے تاکہ ہم سب جمع ہو جائیں تیری مہربانی سے تیری بزرگی کے گھر میں اور تیری بخشش اور تیری رحمت کی منزل میں۔

بے شک تو بڑے فضل والا اور قدیم احسان والا ہے!

اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ ''رحم کرنے والا'' ہے!!

حضرت کی دعا کے یہ چند فقرے اس بات کی نشاندہی کرنے کے لیے کافی ہیں کہ

ہماری تمام تر مادی اور روحانی کامیابیاں اور کامرانیاں اُس علم لدنّی کی اساس میں محفوظ ہیں جو ہماری دست رس میں تو ہے مگر توجہ سے محروم ہے۔

......اخلاقیات اگر انسانی زندگی کی بہتری کی ضمانت ہیں تو امامؑ کے یہ چند فقرے کسی گھر کے نظام کی اخلاقی زندگی کو استوار کر دینے میں اس قدر موثر ثابت ہو سکتے ہیں جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔

بہترین اخلاق دنیاوی کامیابی کی ضمانت تو ہے ہی۔ یہ پروردگار عالم کی خوشنودی کا باعث بھی ہے۔ حصول توفیقات کی بشارت بھی!

پروردگار عالم تو ہمیں توفیق عطا کر کہ ہم تیرے محبوب پیغمبر اسلام اور ان کی ذریت کے روحانی پیشواؤں کے ذریعے ہمارے لیے تجویز کردہ علوم کی اساس کو نہ صرف پڑھیں، سمجھیں اور سنبھال کر رکھیں، بلکہ ان کی مدد سے دنیاوی کامرانیاں اور عقبٰی کی راحتیں ڈھونڈ لیں......اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک اچھی روش اور روشن مثال قائم کر سکیں!

انشاءاللہ۔

والسلام

## معرفت:

امام زین العابدینؑ دُعاے ''ذکر حمد و ثنا میں فرماتے ہیں کہ:

تمام تعریفیں ہیں اس معبود کے لیے کہ اگر وہ اپنی حمد کی شناخت کو روک دیتا اُن تمام نعمتوں پر، جن سے اُن کا امتحان لیا اُن اعلانیہ نعمتوں پر جو اُن پر کامل کی ہیں،

تو اُس کے احسانوں میں پھرتے رہتے اور اُس کی حمد نہ کرتے

.....اور اُس کے رزق میں وسعت کے ساتھ رہتے پھر بھی اُس کا شکر نہ کرتے۔

....اور اگر وہ ایسے ہوتے تو آدمیت کی حدوں سے نکل کر جانوروں کی حد میں داخل ہو جاتے۔

''صحیفہ کاملہ مترجمہ مولانا سید محمد ہارون صاحب قبلہ''

- پیغمبر اکرم ﷺ نے جبرائیل امین سے نقل فرمایا ہے کہ:

درجۂ یقین پر فائز انسان اللہ کے لیے اس طرح عمل انجام دیتا ہے جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

اور اگر وہ اللہ کو نہیں دیکھ رہا ہے تو کم از کم اللہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔

''بحار الانوار ج ۷۰ ص ۲۱' خواہشیں ص ۳۴۹''

- فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ:

یقین کے ساتھ مسلسل تھوڑا عمل کرنا اللہ کے نزدیک یقین کے بغیر بہت زیادہ عمل سے افضل ہے۔

اصولِ کافی ج ۲ ص ۵۷' خواہش ص ۳۴۹

# ''احسن الخالقین''

ساری عظمتیں اور ساری بزرگیاں ختم ہیں اُس ''احسن الخالقین اور معبود برحق'' کی ذات پر کہ.... جس کی رحمت اور شفقت نے پیکرِ انسانی کو نہ صرف یہ کہ ایک اچھی صورت اور پاکیزہ روح بخشی، اُسے اپنی افضل ترین تخلیق اور محبوب ترین شی ''عقل'' سے آراستہ کر کے ایک ایسا عروج عطا کر دیا کہ ''یہ انسان'' بس اپنی مثال آپ ہے۔

احسن ہے وہ خالق کہ جس کی شفقتیں یہیں پر موقوف نہیں ہو جاتیں.... اگر ہم غور کریں تو یہ عمل.... کس قدر قابل ستائش ہے کہ.. پروردگار عالم نے.... بعد از تخلیق ''ارض وسما'' مادہ اور مادیات کی کل وجز سلطنت ''انسان'' کو عطا کر دی...اور ''وہ بھی معہ قبضے اور صلاحیتوں کے'' اور اپنی ربوبیت قائم رکھی اس طرح کہ ماتحت کر دیا اس انسان کو ایک ''غیبی طاقت'' کے جسے ہم ''روح'' کہتے ہیں!

اب ان انسانوں میں سے وہ لوگ جو اللہ کی بزرگی کے قائل ہیں۔ اور اللہ کے کلام پر یقین رکھتے ہیں.. اُن کا فرض اولیں ہو جاتا ہے کہ وہ... بڑی قدر کریں... اس گلشن ہستی کی اور مصروف کر لیں.. اِس نظام خداوندی میں... اپنے آپ کو افضل سے افضل بنانے میں ...اور بہتر سے بہتر بن جانے میں، اس لیے کہ کسی شی کی قدر دانی بس وہی کر سکتا ہے جو خود ''باصلاحیت'' ہو۔ افضل ہو!

یاد رکھیں........ کارخانہ قدرت کی نیرنگیوں سے بے اعتنائی اور حکمت خداوندی کی رعنائیوں سے غفلت اور چشم پوشی انسان کو مجہول کر دیتی ہے۔ خداداد صلاحیتیں اِس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ مفقود ہو جاتی ہیں!

....اور یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ صرف اور صرف ''نیک اور باصلاحیت'' اشخاص خداوند عالم کی رحمتوں سے زیادہ قریب ہیں۔ بے شک وہ افراد کامیاب ہیں جو کارخانۂ قدرت کے کُلیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں خود خالق و مالکِ کون و مکان کی صفات حمیدہ سے ....اور جُزیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس کی تخلیق کی خوبیوں سے اور ان کی شناخت سے۔ اِس طرح کامل ہے وہ انسان جو:

(۱) اپنی عقل کو فروغ دیتا ہے ''خالقِ ازلی'' کے اوصاف حمیدہ کو پہچاننے کی کوششوں سے!

(۲) اور ضم کردیتا ہے اپنے وجود کو شناخت کرنے میں ''نظام قدرتِ الٰہی'' کی خوبیوں کو۔ ......اور سمجھنے کی کوشش کرنے میں اس کی تخلیق کی لطافتوں اور باریکیوں کو۔

اوّل الذکر عمل خالص ترین عبادت ہے۔

اور دوسرا عمل دُنیوی کامرانیوں کی ضمانت اور رِضا و رغبت الٰہی کی بشارت ہے۔

...اور ان دونوں مقاصد کی حصولیابی کا واحد ذریعہ ہے ''عقل''۔

وہ عقل جسے خالق نے اپنی محبوب مخلوق کا درجہ عطا کیا۔

☆ وہ عقل جسے مولا علیؑ نے ''بدن کی اندرونی شریعت'' کہا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ ''عقل بدن کی اندرونی شریعت'' اور ''شریعت'' بدن کے باہر موجود عقل کا نام ہے۔

☆☆ امام محمد باقرؑ سے اسی عقل کے بارے میں روایت ہے کہ پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا کہ میری عزت وجلالت کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ محبوب اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ اور میں تجھے اس کے اندر کامل کرونگا جس سے مجھے محبت ہوگی۔

یاد رکھ میں تیرے ہی مطابق کوئی حکم دوں گا اور تیرے ہی مطابق کسی چیز سے منع

---

☆ کتاب جوان: آقائے محمد تقی فلسفی بحوالہ خواہشیں، ص ۹۴

☆☆ اصول کافی جلد ۱، ص: ۱۰، بحوالہ خواہشیں، ص: ۱۰۰

کروں گا۔

تیرے ہی مطابق عذاب دوں گا۔

اور صرف تیرے ہی اعتبار سے ثواب دوں گا۔

امام محمد باقرؑ کی اس مستند روایت سے ظاہر ہو گیا کہ بس ''یہ عقل'' بے انتہا مفید ہے اگر یہ پروردگار عالم کے منشاء کے مطابق اور اس کے احکام کے موافق ہے.... ورنہ ''اس عقل میں تیزی'' کتنی بھی ہو... انجام کار بربادی ہے۔ اس لیے ضروری ہو جاتا ہے وجود خالق کائنات کے اقرار کے ساتھ اُس کے وجود کو عقل کی اُن گہرائیوں سے سمجھنا جو قلب کو مطمئن اور ذہن کو مسرور کر دیں!

مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص جو کسی صورت اللہ کے وجود کو تسلیم کرنے کو راضی نہ تھا' اپنے کسی واقف کے ہمراہ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا' اُس واقف نے مولا کے سامنے ذکر کیا کہ مولا یہ شخص ہے جو اللہ کے وجود سے انکار کرتا ہے اور ثبوت مانگتا ہے۔ آپ نے اُس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: جسے تم نے نہ دیکھا ہو اُسے مانو یا نہ مانو اِس کا تمہیں اختیار ہے۔ مگر جس کو تم نے نہ دیکھا ہو اُس کے ہونے کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ امام کے اس ایک جملہ نے اُس شخص کے شعور کو بیدار کر دیا۔

مردِ مُخلص تھا'' صاحب عقل و فہم تھا'' چشم زدن میں بصیرت افروز ہو گیا۔

امامؑ کی بات دل میں اتر گئی اور وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا۔

....شاعر اہلبیت سجاد لکھنوی نے نہ دکھائی دینے والے ''خالق بے نیاز'' اور اُس احسن الخالقین کے تئیں اپنے یقین کامل کا اظہار بڑی صاف اور عام فہم لفظوں میں اس طرح کیا کہ:

بغیر خلق کیے کیسے ہوگئی خلقت
تجھے تصور خالق میں این و آں کیوں ہے

وجود روح ہے لیکن نظر سے اوجھل ہے
یونہی سمجھ لے خدا ہو کے بھی نہاں کیوں ہے

اس قطعہ میں اس قدر سادگی سے صداقت کی تہہ تک پہونچنا دلیل ہے اس بات کی کہ پروردگار عالم ہر اس نفس کو برکتوں سے نواز دیتا ہے جو اُس کی جانب پیش قدمی کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں، میں ان نوعمر اور نوجوان بچوں سے کہ جن کی بڑھتی عمر کے ساتھ ذہن میں نہ جانے کیا کیا سوال ابھرتے ہیں، کہنا چاہتا ہوں کہ وہ ضرور غور کریں اس بات پر کہ اگر ایک چھوٹا سا ہیولا انسانی اور مادی پیکر جسمانی بغیر روحانی طاقت کے ایک گام بھی نہیں چل سکتا تو پھر اتنا بڑا نظام شمسی، بوجھل اور پر از مادہ و مادیات کارگاہِ خلقت کس کے سہارے چل رہا ہے۔ یہ اتنا منظّم کیسے ہے۔

یہ نظام شمسی اور وجود ارض وسما نہ اتفاق ہے نہ کسی حادثہ کا نتیجہ!

یاد رکھیں اتفاقات اور حادثات لمحاتی ہوتے ہیں ۔ واقعہ ہوا اور ختم ہو گیا۔ اسقدر جامع اور منظّم کاروانِ حیات اتفاقات کی دین نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں!

مادی سہولیات کی افراط نیز...قلب و ذہن کی فرحت کے انتظامات سے بھرپور نظامِ قدرت صرف اُسی ''عظیم المرتبت''، ''طاقتِ غیبی'' کے بس کی بات ہے جو قادر مطلق ہے اور بے نیاز ہے۔

......جو عظیم ہے۔ قدیم ہے۔

......جو شفیق ہے اور کریم ہے۔

......جو رحمان ہے اور رحیم ہے۔

وہ ستار ہے، غفار ہے۔ ہادی ہے، قیوم ہے۔ باسط ہے، وہاب ہے، رازق ہے۔

وہ خالق ہی نہیں، ''خالقِ یکتا ہے''۔ احسن الخالقین ہے! وہی ہمارا پروردگار ہے۔

وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اب اگراس بات کا دعویٰ کیا جائے کہ جو شخص پروردگار عالم کو اس کے متبرک اسمائے حسنیٰ سے یاد کرے اور اپنی بساط بھراس کی صفات کو سمجھنے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ کے معنی اور ان کی مخصوص لطافتوں کو اپنی بھر پور ذہنی وسعتوں سے ادراک کرنے کی سعی کرے اور .... اپنی عبادتوں میں خلوص نیت کے ساتھ ان ناموں کی تسبیحات کو بھی شامل کرلے تو اُس کو افضل ہوجانے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ عمل نفسِ انسانی کو ''رغبت تہذیب'' ...اور روح انسانی میں ''میلانِ اصلاح'' پیدا کرتا ہے۔ اور اس طرح ''خالق ازلی'' کے اوصاف حمیدہ سے ہم شناسی عقل کو اُس درجہ عروج تک پہونچا دیتی ہے کہ جہاں سے فراوانی مادہ اور مادیات انسان کے مضبوط پاؤں کی ٹھوکر میں اور ''روحانی ارتقا'' کی منزلیں بصیرت عقل کے احاطے میں موجود نظر آتی ہیں!

یاد رکھیں۔ رب العالمین کا وہ نظامِ قدرت ہر طرح سے مکمل ہے جس کے تحت یہ کائناتِ الٰہی اپنا سفر ارتقا پورا کر رہی ہے۔ ''کاروانِ الٰہی'' اپنی رفتار سے چلتا ہی رہے گا' فائدہ میں وہ ہے جو ''ارتقائے نظام الٰہی'' کے تقاضوں کو عقل کی تمام تر گہرائیوں سے سمجھنے کی سعی کرتا ہے۔ اُس عقل سلیم سے جس کا محور ''شریعتِ الٰہی'' ہے۔

...اللہ کو اس کے ''اوصاف حمیدہ'' کی عمیق ترین گہرائیوں میں ڈوب کر سمجھتے رہنے کی کوشش کرنا' جن کے یہ اوصاف حمیدہ حامل ہیں، بہترین اور نایاب ذریعہ ہے فروغ عقل کا۔

...اِسی طرح صناع عالم کی تخلیق کی لطافتوں اور باریکیوں کو سمجھنے میں مشغول رہنا۔

اور ''نظام قدرت الٰہی'' کی ارتقا میں اپنے وجود کو ضم کر دینا ضمانت ہے دنیاوی کامیابی اور کامرانی کی اور بشارت ہے رضا اور رغبت الٰہی کی.... خوشنودی پروردگار کی۔

اور خوشنودی پروردگار ضمانت ہے حصول دنیا کی، حصول آخرت کی۔

اس کے برعکس وہ کہ جسے اس کی خواہشات نفس نے گمراہ کر دیا' حدود شریعت سے

نکل گیا، عقل سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ کسی شخص نے ہمارے اور آپ کے چھٹے امام، امام جعفر صادقؑ سے اُس بادشاہِ وقت کے بارے میں دریافت کیا جو اپنے عہد میں عروج پر تھا کہ مولا اس کی ''عقل'' کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے!

آپ نے فرمایا وہ ''عقل'' نہیں مکاری ہے، چال بازی ہے!

بے شک اللہ کے نظام قدرت پر تسلط اور تصرف ''جہل'' ہے، عقل ہرگز نہیں!

عقل اور جہل کے درمیان فرق سمجھ لینا آسان ہے اگر ہم یہ یاد رکھیں کہ:

''عقل وہ شی ہے'' جسے پروردگارِ عالم نے ''محبوب ترین مخلوق'' کا درجہ عطا کیا۔

''عقل وہ شی ہے'' جسے حضرت علیؑ نے ''بدن کی اندرونی شریعت'' کہہ کر پہچنوایا۔

''عقل وہ شی ہے'' جو حیات جاودانی کی راہیں ہموار اور منزلیں آسان کر دیتی ہے۔

مگر اس ستم ظریفی کو کیا کہا جائے کہ آج بھی بڑے دانشور سمجھے جانے والے اور بڑے بڑے دعویٰ کرنے والے حضرات بھی ''ظالم اور سفاک'' حاکم وقت کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا مندی کا مستحق قرار دینے لگتے ہیں جب کہ دوسری طرف ایک معروف اور ممتاز شاعر جوش ملیح آبادی اسی حاکم وقت کو خلقتِ الٰہی سے اس طرح روشناس کراتے ہیں کہ:

''نام یزید داخلِ دشنام ہو گیا''

..... یاد رکھیں ''ظلم واستبداد'' کبھی بھی رحمت الٰہی کی بشارت نہیں ہو سکتا۔

..... یہ ''ظلم واستبداد''، ''زوال عقل'' کی بدترین علامت ہے۔

لہٰذا اس زوال عقل کے ساتھ ''شریعت'' کی سلامتی کا تصور بے معنٰی ہے۔

اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہر شخص لازمی طور سے اپنی عقل کو اُس معیار پر رکھنے کی کوشش کرتا رہے جس معیار کا حامل خود خالق مطلق نے اُسے قرار دیا اور یہ کام نہایت آسان ہے اگر ہم:

(۱) اپنی عبادتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسمائے گرامی کی تسبیحات کو اس طرح

شامل کرلیں کہ شانِ کبریائی ہمارے ذہنوں کو منور کردے اور اُس کی عظمتیں ہمارے دلوں کو قوی سے قوی تر بنادیں۔

(۲) ہم اونچے آسمانوں سے لے کر زمین کی گہرائیوں تک ''نظام قدرتِ الٰہی'' کی خوبیوں کو نہ صرف سمجھیں بلکہ اس کی تمام تخلیقات کا بہ تفصیل جائزہ لیں، اس کی باریکیوں کو جانچیں، پتے پتے کی ساخت پہچانیں، قطرے قطرے کو ناپیں، تولیں، ذرے ذرے کی طاقت کا اندازہ کریں! یہی سچی معرفت ہے اُس معبود برحق کی جس نے ہماری تخلیق سے پہلے ہماری سہولتوں کا مکمل انتظام کیا۔ ہمیں عقل کے بہترین زیور سے آراستہ کیا تاکہ ہم اس کی تخلیق کی خوبیوں کو پہچانیں، ان سے استفادہ کریں، خوشیاں حاصل کریں۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے خود بھی مستفید ہوں اور دوسروں کے لیے راہیں ہموار کریں۔

(۳) اِن سب سے اہم اور ضروری نقطہ یہ ہے کہ ہم کسی بھی دور میں ہویٰ اور ہوس میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ ہمارے لیے اکثر اپنے اندر موجود شیطانی وسوسوں کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے لازم ہے کہ ہم اپنے عظیم راہبر اپنے محسن اور اپنے بہترین امام، امام زین العابدینؑ کی بتائی ہوئی یہ دعا پڑھ لیا کریں جو باوجود معصوم اور طاہر ہونے کے آپ خود بھی پڑھا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

> ''اے اللہ میں بے شک تجھ سے پناہ مانگتا ہوں لالچ کے برانگیختہ ہونے سے اور غصہ کے بھڑک اٹھنے سے... اور حسد کے غالب ہونے سے اور صبر کے سُست پڑ جانے سے۔ قناعت کی کمی سے۔ کج خُلقی سے۔ راہ راست کی مخالفت سے۔ باطل کو حق پر ترجیح دینے سے۔ اپنے محسن کا شکریہ نہ ادا کرنے سے۔ ظالم کی مدد کرنے اور کسی کو بے یار و مددگار چھوڑنے سے۔ اپنے اعمال پر غرور کرنے سے۔ اپنی امیدوں کو طول دینے سے۔''

اِس مکمل دعا میں آپ نے ۱۳۳ ایسے اخلاقی نقطوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے ہمیں قدم قدم پر سامنا رہتا ہے۔

یہ دُعا صحتِ عقل کے لیے ایک ایسی مجرب دُعا ہے کہ اگر مدعی اِس دعا کو سنجیدگی' دیانت داری اور خلوص نیت سے پڑھ لیا کرے تو عقل شریعت الٰہی کے محفوظ احاطے سے باہر نہیں جاسکتی اور ایسا ہی انسان دُنیا کی کامیابیوں کے ساتھ عقبیٰ کی راحتوں کا انشاء اللہ حق دار ہوگا۔

پروردگار عالم ہم سب کو اپنی بہترین رحمتوں سے نواز دے اور دنیاوی اُمور سے لے کر آخرت کی منزلوں تک ہم سب کو ایک دوسرے کا ہمدرد' معین اور بہترین مددگار بنادے۔

آمین ''یارب العالمین''

## علم و دانش:

حضرت علیؑ ابن طالب علیہ السلام نے فرمایا:

- اے کمیل علم کی شناسائی ایک دین ہے، جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔

اسی سے انسان اپنی زندگی میں دوسروں سے اپنی اطاعت منواتا ہے اور مرنے کے بعد نیک نامی حاصل کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ ''علم حاکم ہوتا ہے اور مال محکوم''۔

''ماخوذ ازا حکمت ۱۴۷ نہج البلاغہ''

علم کی قدر و قیمت ایک دوسرے مقام پر آپ نے اس طرح بیان فرمائی کہ:

- وہ علم بے قدر و قیمت ہے جو زبان تک رہ جائے اور وہ علم بہت بلند مرتبہ ہے کہ جو اعضاء اور جوارح سے نمودار ہو..... حکمت ۹۲ نہج البلاغہ

یہاں تک کہ ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں کہ:

- اللہ جس بندے کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اسے ''علم دانش سے محروم کردیتا ہے۔

حکمت ۲۸۸ نہج البلاغہ

.....اور کیا عظمت ہے اس ''علم و دانش'' کی کہ دین اسلام کی بنیادیں استوار ہوتے ہی خالق کا سب سے پہلا حکم جو وارد ہوا.....وہ ہے۔

**اقرا بسم ربک الذی خلق..........**

---

نوٹ: کمیل ابن زیاد نخعی رحمۃ اللہ اسرار امامت کے خزینہ دار اور امیر المؤمنین کے خواص اصحاب میں تھے۔ علم و فضل میں بلند مرتبہ اور زہد و ورع میں امتیاز خاص کے حامل تھے......(ملاحظہ فرمائیں نہج البلاغہ صفحہ ۸۵۰، مترجم مفتی جعفر صاحب قبلہ، مطبوعہ عباس بک ایجنسی ۲۰۰۴ء)

# ''اقرأ''

''اقرأ'' عربی زبان کا وہ لفظ ہے جو بے پناہ عظمتوں کا حامل، بڑا قابل قدر اور دوسرے بیشتر الفاظ سے بلند و بالا اور ممتاز ہے۔ اس لفظ کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ یہی وہ مبارک لفظ ہے جس کے ذریعہ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو ''جامۂ انسانیت'' پہن لینے کی تلقین کی۔

کسی لفظ کی معنویت اور اس کے مفہوم کی وسعت کا اطلاق بولنے والے کی شخصیت، قابلیت اور اس کے وقار پر منحصر ہوتا ہے۔

زیر بحث کلام اللہ کا ہے

مخاطب رسولؐ ہے

اور مقصود بنی نوع انسانی

''اقرأ بسم ربک الذی خلق'' کلام پاک کے تیسویں پارے کے ''سورۂ علق'' کی ایک مختصر آیت ہے جو صرف پانچ لفظوں پر مشتمل ہے مگر آیۂ کریمہ کی خصوصیت اور کرامت کی انتہا یہ ہے کہ اس مقدس آیت کا ایک ایک لفظ ذہن انسانی کے دریچوں کو کھول دینے کے لیے کافی ہے۔... مگر ان لوگوں کے لیے ''جو اللہ کے کلام'' کو ایسی اہمیت دے سکیں جس کا یہ کلام مستحق ہے۔

لفظ ''اقرأ'' جس کے اردو معنی ہیں... پڑھو دراصل نصیحت ہے اس خالق بے نیاز کی جس نے فقط:

☆ ایک لفظِ کُن سے اس خاکدان عالم کی تخلیق فرما دی ...

☆ اپنی سطوت اور توانائی سے مختلف اور متفرق گروہوں میں ایکا کر دیا...

☆ اپنی مہربانی سے سپیدہ سحر کو نمودی...

☆ اور رات کے اندھیروں کو دن کے اجالوں میں بدل دیا...

☆ جس نے ابر کے دامن کو نچوڑ کر زمین پر جل تھل بھر دیے...

☆ وہ خداوند... جس نے سورج اور چاند کو چراغوں کا روپ دے کر دنیا کو روشن کر دیا...

بس! اُسی خالق و مالک ارض و سمانے ''اپنی کتاب محکم'' ....اور ہمارے لیے دستور العمل کی اعلیٰ ترین کتاب یعنی کلام پاک میں ہمیں حکم دیا کہ ... اقرأ... یعنی پڑھو!

''سورۃ العلق'' کی پر از حکمت اس آیہ مبارکہ چار کے دیگر الفاظ یعنی ''بسم ربک الذی خلق'' کے اردو معنی ہیں اس اللہ کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔

اس طرح ''بسم ربک الذی خلق'' کے پس منظر میں لفظ ''اقرأ'' یقیناً ضمانت سے اس عروج بشری کی جو منشائے رب العزت کے عین مطابق ہے۔ ہم اپنے دل کی عمیق ترین گہرائی اور تمام ذہنی یکسوئی سے حمد و ثنا کرتے ہیں... اُس خالق کون و مکاں کی کہ جس نے:

اپنی سطوت اور توانائی سے نظام شمسی مرتب کیا اور ............اِن میں ''آپسی کشش'' پیدا کر کے اس قدر بڑے نظام کو ہمیشہ کے لیے استوار کر دیا!

اور ... اس نظام کو استحکام بخشا وقت کی پابندی کے عمل سے کہ صبح کبھی دیر میں نہیں ہوتی ...اور نہ اندھیرے کبھی اپنے وقت مقررہ سے پہلے پھیل جاتے ہیں!

رات کو سونے اور تھکان دور کرنے کے لیے ....

اور دن کو کام کرنے کے لیے مختص کر دیا... المختصر یہ کہ پوری کائنات ایک کھلی کتاب کے مانند ہوگئی، ان کے لیے جو اسے پڑھنا چاہیں اور اخذ کر سکیں مفید نتیجے اپنی فلاح و بہبود کے لیے۔

---

☆ دعائے صباح کے کچھ فقروں کا اردو ترجمہ ماخوذ از وظائف الابرار مترجمہ مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ

مثال کے طور پر.... ہم دیکھتے ہیں کہ اتنا بڑا نظام شمسی صرف دو اصولوں پر دائم اور قائم ہے۔ان دو اصولوں میں اول ہے ''آپسی کشش اور اِس کا میزان''۔ یہ کشش ایک ایسی طاقت ہے جس نے اتنے بڑے نظام کو استحکام بخش دیا۔ اور میزان ایسی کہ یہ کشش اگر ذرا بھی بڑھ جائے تو تمام سیارے آپس میں ٹکرا کر چور چور ہو جائیں اور اگر گھٹ جائے تو ان تمام سیاروں کا مکمل بکھراؤ یقینی ہے۔ یہ شاید ایک اچھا درس ہے کسی ''قوم وملت کے استحکام کے لیے'' کہ آپسی کشش معقول ترین ذریعہ ہے خوشحالی اور اطمینان کا:

بشرطیکہ... یہ کشش مصنوعی یا نمائشی نہ ہو!

... یہ کشش فی سبیل اللہ ہو!

اس نظام ارضی وسماوی... اور اسی گردش دوران کی بقا کا دوسرا زرین اصول ہے ''وقت کی پابندی کا عمل'' جو روز ازل سے آج تک ''جان'' ہے اس نظام قدرت کی کہ وہ چاند ہو یا سورج، عطارد ہو یا مشتری ہر لمحہ اور ہر آن متحرک ہونے کے باوجود اپنے اپنے وقت مقررہ پر... یہ سب اپنی اپنی معین کی گئی جگہ پر موجود نظر آتے ہیں! یہاں تک کہ ابتدائے آفرینش سے تا این دم جلتا اور سلگتا ہوا سورج قدرت کی نشانیوں کے ساتھ کہ نہ تو اس کا مادہ منتشر ہو جاتا ہے اور نہ یہ خود جل کر راکھ ہو جاتا ہے......... بحکم خُدا دوسرے تمام سیاروں کی طرح روزانہ اپنے وقت مقررہ پر روشنی پھیلاتا اپنی جگہ استادہ نظر آتا ہے۔ ان عجائبات قدرت کی ''وقت کی پابندی کا یہ عمل'' اشارہ ہے اس بنی نوع انسان کے لیے کہ ''پابندی وقت کا لحاظ رکھنا''...... حکمت ربانی کے زرین اصولوں پاسداری ہے۔

خالق کائنات نے انسانوں کو ''عقل'' کے ساتھ ''اختیار'' کی سکت اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت بھی عطا کی ہے۔ اس لیے ''خلق'' کی وسعت ''اقراء بسم ربک الذی'' کی پاکیزگی کے ساتھ نعمت الٰہی کی وہ سبیل ہے کہ اس سے جو جتنا چاہے سیراب ہو لے۔ ''نسل انسانی'' اگر اپنے حقیقی معبود کی عطا کردہ ''عقل'' اور ''دانشوری'' کی صلاحیتوں سے

خدائے بزرگ و برتر کی تخلیق کردہ تمام اشیاء کو اور ان اشیاء کے اندر مخفی لطافتوں کو ''معرفت الٰہی کے آئینے'' میں درک کر سکتی تو ''یہ نسل انسانی'' ان خطرات سے کبھی دوچار نہ ہوتی جو آج اسے لاحق ہیں۔ ذرے ذرے میں مخفی بے پناہ طاقتوں کا اندازہ، مادہ و مادیات میں موجود قدرت کی رعنائیوں کی داستان، اس نسل انسانی کے لیے فلاح و بہبود کی ایک مستند اور مکمل دستاویز بن جاتی، اور اسی کے پیش نظر مکہ معظّمہ میں اسلام کی پہلی کرن نمودار ہوتے ہی کلمہ توحید پڑھنے والوں کو مخاطب کیا گیا تھا کہ:

اقرأ... یعنی پڑھو! پڑھو اس کے نام سے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔

لہٰذا ''حصول علم'' بسم ربک الذی خلق کی ان وسعتوں کے درمیان جن کی حدیں نامعلوم ہیں کلمہ توحید پڑھنے والوں کے لیے ایک ایسا غیر معمولی فریضہ بن کر ابھرتا ہے جس کو پورا کرنے کے لیے ہر کس و ناکس کو ہر طرح کی جانفشانی اور اپنی اپنی قوتوں کا بھرپور استعمال کرنا چاہیے۔ ہمیں روزانہ کے معمولات میں اللہ کی عبادتوں کے ساتھ ''تحصیل علم و آگہی'' کے لیے حسب ضرورت کچھ وقت ضرور صرف کرنا چاہئے۔ اس راہ میں ہر ممکنہ کوشش مسلسل جاری رکھنا چاہیے چاہے ہم اپنی زندگی کے کسی مرحلے میں ہوں اور سماج کے کسی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں۔ حالات کیسے بھی ہوں، مشکلیں کتنی بھی ہوں!

ہم کیسے بھول سکتے ہیں اس وحی کو جس کے ذریعے اس رسول ﷺ مقبول کو جو خود ''مدینة العلم'' ہیں خطاب ہو رہا ہے کہ اے رسول ﷺ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ''ربِّ زِدنی عِلما'' یعنی پروردگار تو میرا علم بڑھا... اور بھی ایسے حالات میں کہ ایک طرف دشمنان دین اور منافقین کسی آن اور کسی لمحہ آپ کو بہ اطمینان نہ رہنے دیتے تھے تو دوسری طرف تبلیغ اسلام کی اتنی بڑی ذمہ داری آپ کے سپرد تھی!

مزید برآں حضور ﷺ کے اہلبیتؑ اطہار اور ائمہ معصومینؑ کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے بس ایسے ہی حالات میں اور اکثر اس سے بھی زیادہ ناخوش گوار ماحول میں ''علم

وآ گہی" کی اشاعت سے کبھی غفلت نہ کی" اقراء بسم ربک الذی " کی حکمت اور" رب زدنی علما " جیسے احکام خداوند عالم کی وسعتوں سے باخبران معتبر ترین ہستیوں کی علمی کارگزاریوں کا یہ عمل واضح ترین اشارہ ہے کہ پیروی احکام خداوندی میں کسی مشکل کو مشکل نہیں سمجھا جاسکتا..... بلاشبہ:

"اطاعت خداوندی کا حق یہ ہے کہ....بس! اسے اطاعت کی طرح کیا جائے"۔

سورہ علق کی جن آیات مبارکہ سے ہم فیض حاصل کرنے کی سعی کررہے ہیں اس کی پہلی آیت" اقرأ بسم ربک الذی خلق " کی روشنی میں جو تین باتیں صاف نظر آتی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ:

(۱) اقرأ کی پیروی ایک اہم ترین فریضہ ہے اور" حصول علم" مذہب اسلام میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے!

(۲) بسم ربک الذی یاددہانی ہے کہ "تعلیم" اللہ کے نام سے ہونا چاہیے اور یہ عام ہونی چاہئے!

(۳) خلق سے مُراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی "وہ تخلیقات" ہیں جن کے خزانے روئے زمین پر ہر جگہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں، تو کہیں زمین کی تہوں میں دفن ہیں...یہ خزانے کہیں موجزن سمندر کی گہرائیوں میں مخفی ہیں تو کہیں فضا کی نامعلوم سمتوں کو پار کرتے ہوئے خلا کی وسعتوں میں گم ہو گئے ہیں!

ہمیں لازم ہے کہ ہم ان تخلیقات خداوندی کے تجزیے اور تجربات سے اپنی زندگی کی راہوں کو روشن رکھیں فرمانِ الٰہی "اقرأ بسم ربک الذی خلق " کو لبیک کہیں اور "رَبِّ زِدْنی عِلْماً" کی دُعائیں کرتے رہیں۔

سورۃ العلق کی دوسری آیت "خلق الانسان من علق " کے اردو معنیٰ ہیں کہ اُسی نے انسانوں کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔

کیا کہنا اس قدرت الٰہی کا کہ جس نے انسانی ہیولے کو اُس کے ابتدائی مراحل میں
جب وہ رحم مادر میں مختلف پیچیدگیوں سے گزر رہا ہوتا ہے، اپنی مکمل حفاظت میں رکھا، یہاں
تک کہ یہ تخلیق اپنے کمال کو پہونچی ! اب یہ وہی پیکر انسانی ہے جس کے مورث اعلیٰ یعنی
حضرت آدمؑ کی مادی تخلیق کو روح سے سرفراز کرتے ہی، خالق نے ملائکہ کی صفوں سے سجدہ
کروا کر اس خلقت عالیہ کی قیامت تک آنے والی نسلوں کو سعادت مندی، اخلاص، اخلاق،
اور عبادت جیسی خصوصیات کے اعلیٰ ترین میعار سے روشناس کروادیا تھا۔ نسل انسانی کے
لیے یہ ایک نایاب درس تھا، پہلا سبق تھا۔

اس زندگی کا دوسرا دور اور اصل مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب قدرت کا یہ
شاہ کار والدین کے حوالے ہوتا ہے یہ خلقت اب رفتہ رفتہ خواہشات کے علاوہ ''عقل اور
اختیار'' جیسی خوبیوں سے روشناس ہونے لگتی ہے اور یہ وقت ہوتا ہے کہ جب والدین ان
تمام نزاکتوں کی نشو ونما میں بھرپور تعاون کریں البتہ اس طرح کہ ''عقل اور اختیار'' کی
صلاحتیں پروان چڑھیں اور اپنے مکمل عروج کو پہونچیں مگر ''خواہشات کی یلغار'' اس بچے
کے ذہن کو پراگندہ اور اس کے نفس کی پاکیزگی کو تحس نہس نہ کرڈالے۔

کل اس بچے کو کس خوبی سے قدرت نے جمے ہوئے خون سے پیدا کر کے آپ تک
پہونچا دیا، آج آپ اس بچے کو کسی ایسی اعلیٰ صفات اور ایسے بہتر اقدار کا محافظ بنا دیجے جو
اسے دنیا میں سرخ رو کردیں اور عقبیٰ میں ان فرشتوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیں
جنہوں نے کل، بحکم خدا اسی تخلیق کو سجدہ کیا تھا۔

اب اگر کسی وجہ سے والدین اس کار خیر کو بخوبی انجام دینے سے قاصر ہیں تو پھر ماں
باپ ہی کیوں؟ اس فریضہ میں تو تمام عزیز و اقارب یہاں تک کہ کل مومنین کو ایک دوسرے
کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ بے شک یہ عمل ایک عمل صالح ہے، دینی فریضہ ہے۔ یہ کار خیر ایک ''
خیر جاریہ'' ہے اس کار خیر کو تحریک کی صورت اختیار کر لینے دیجیے آپ اس کی سبیلین قائم کر

دیجیے تا کہ ملت کا ہر بچہ دین کی سچائیوں کا رہبر اور دینوی امور کا ماہر ترین انسان بن کر اُبھرے۔

مگر آج جب ہم عملی میدان کا رخ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کا منظر ہی دوسرا ہے آج یہاں خواہشات کی یلغار ہے، بدحواسی ہے۔ تعلیم نے تہذیب کا خاتمہ کر دیا۔ خوشحالی سے سکون غائب ہے۔ امیری ہے تو صحت نہیں ہے۔ المختصر یہ کہ انسان ''قدرت الٰہی'' کی شادمانیوں سے دور خود انسانی قدروں کی پامالی کا مصداق بن کر رہ گیا ہے۔ اس نیستی اور بربادی کی وجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام صرف اور صرف مادی تحقیقات ہے اور تخلیقات کا محور بن کر رہ گیا اب اسے ناعاقبت اندیشی ہی کہا جا سکتا ہے کہ خود انسان نے، کارخانہ قدرت کے عطیات پر شکر و اطمینان کے بجائے تسلط اور غلبے کی کوشش اختیار کی۔ تفرقہ پردازی۔ تخریب کاری، شورش اور غلبے جیسے انسانیت سوز تصورات کی بنیادیں استوار کیں۔ یہ صورت حال بہر طور گمراہی کا پیش خیمہ ہے کہ اس تعلیم میں نہ حقوق اللہ کی طہارت ہے اور نہ حقوق العباد کی خوشبو! ایسا نُقطہءِ نظر انسانی اقدار سے عاری تعلیمات کا موجب ہوتا ہے۔ ان کوششوں سے مادی منفعت حاصل کر لی جائے مگر اس تعلیم سے ''روح انسانیت'' مجروح ہوتی ہے اور مضطرب رہتی ہے یہ تعلیم ''اقرأ بسم ربک الذی خلق'' کی پیروی نہیں ہے۔

یقیناً!.... ایسی تعلیم ''حکمت پروردگار'' کی ضد ہے...... نفی ہے!

...... تعلیم وہ ہے جو حق اور باطل میں تمیز کرنے کا شعور عطا کرتی ہے اور حق کی سربلندی پر یقین کرنا سکھاتی ہے۔

...... صحیح تعلیم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نظام قدرت کو باریک بینی سے سمجھنے کا شعور، حقوق اللہ کی پابندی اور حقوق العباد جیسے اعمال صالحہ کی رغبت میں اضافہ کرتی ہے۔

...... صحیح تعلیم ''بینائی چشم'' کو عروج دے کر ''بصیرت نگاہ'' کی برکتوں سے ہمکنار کر

دیتی ہے۔

اب ان انسانی قدروں کے ساتھ وہ تعلیم جو عین منشائے قدرت الٰہی ہے، وہ تعلیم جس کی خوشبو کلمہء توحید کے ساتھ وابستہ کردی گئی تھی، اس تعلیم کا رجحان اس امت مسلمہ میں، جنہیں اسکی صریحاً تاکید کی گئی تھی کیوں اس قدر کم نظر آتا ہے۔ یہ تحقیق کا موضوع ہے۔

مذہب اسلام میں "اقرأ بسم ربک الذی خلق " کی جیسی قابل احترام اور "رَبِّ زِدْنِي عِلْما " کی جیسی قابل قدر ترجیحات کی غیر معمولی تشہیر کے باوجود حصول علم کا شوق پیدا نہ ہونا یا یہ سمجھنا کہ تعلیم سے کیا فائدہ، یہ تو بس معمولی ذریعہ معاش ہے، تعلیم سے حیثیت کہاں بنتی ہے وغیرہ، وغیرہ... کسی صورت مناسب نہیں ہے اور اس سلسلہ میں بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ:

......علم کو محض ذریعہ معاش سمجھنا علم کی ان وسعتوں کو محدود کرنے کے مترادف ہے جو پروردگار عالم نے اسے بخشی ہیں۔

......وہ علم ہرگز علم نہیں ہے.. جو محتاجیاں دور کرنے کا اہل نہ ہو!

......علم وہ ریاست ہے جس کی حدود کی وسعتیں تحصیل علم کرنے والے کی صلاحیتوں پر موقوف ہوتی ہیں۔ اس کی برکتیں لامحدود ہیں۔

علم.. یقیناً محافظ انسانیت اور باعث رحمت پروردگار عالم ہے اگر انسان اس سلسلہ کی تیسری مقدس آیت "اقراؤ ربک الاکرم " کی لطافتوں کو محسوس کر سکے کہ اس آیہء کریمہ میں دوبارہ ارشاد ہو رہا ہے کہ پڑھو!... اور وہ بھی اس حوصلہ افضائی کے ساتھ کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ وہ پانچ آیتیں جو طلوع اسلام کے ساتھ رحمت الٰہی کا مرقع بن کر سرزمین مکہ میں وارد ہوئیں تھیں یہ ہیں!

اقرأ ..... بسم ربک الذی .خلق

خلق الانسان من علق

**اقرأ وربک الاکرم**

**الذی علم با لقلم**

**علم الانسان ما لم یعلم**...................سورہ علق: آیت ۱ تا ۵۔

اوران آیات مقدسہ کا اردو ترجمہ جو قرآن کریم کی جلد مترجمہ سید فرمان علی صاحب قبلہ نظامی پریس لکھنو سے لیا گیا ہے اس طرح ہے:

(اے رسول) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

اسی نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا............ پڑھو!

اور تمہار پروردگار بڑا کریم ہے،

جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی،

اسی نے انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ کچھ جانتا ہی نہ تھا۔

بلاشبہ.....ان پانچوں آیتوں کا محور دعوت ''تحصیل علم'' ہے اور مرکز وہ طاقت غیبی ہے ''جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور بے شک...اسی نے انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ کچھ جانتا ہی نہ تھا !

مختصراً یہ کہ لفظ ''اقرأ'' اوراس کے ساتھ منسلک یہ پانچوں آیتیں اپنی معنویت اور اپنے مفہوم کی وسعتوں کے ساتھ مذہب اسلام کے اصولوں میں ایک ''بنیادی حیثیت'' رکھتی ہیں۔

...بے شک! یہ آیات وہ سرچشمہ فیضان الٰہی ہیں جن سے علم کی برکتیں ڈھونڈنا، پھیلانا اوران کوششوں میں وقت صرف کرنا باعث افتخار ہے۔

.......اوراس رہ میں سرمایہ خرچ کرنا باعث رحمت ایزدی ہے۔

اللہ ہم سب کے ''علمی رجحانات اور عملی توفیقات'' میں اضافہ فرمائے۔

......... آمین

## تربیت نفس:

اسلام کی نظر میں دنیا قابل مدح وستائش... اولیائے الٰہی کی محل تجارت... محبان خدا کی مسجد... آخرت تک رسائی کا ذریعہ اور مومنین کے لیے زاد آخرت حاصل کرنے کا مقام ہے!

لیکن یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ جب دنیا سے عبرت و نصیحت حاصل کی جائے... لیکن اگر دنیا کو منظور نظر بنالیا جائے تو یہی دنیا... انسان کو اندھا بنا دیتی ہے!

''خواہشیں!'' مصنفہ آیت اللہ محمد مہدی آصفی ترجمہ سید کمیل اصغر زیدی ص ۲۸۲

- فرمایا حضرت علیؑ نے کہ:

''جو کجی میں مبتلا ہوا'' اسے نیکی برائی اور برائی نیکی نظر آنے لگتی ہے۔ اور وہ ''گمراہی کے نشے'' میں چور ہو جاتا ہے........ نہج البلاغہ حکمت ۳۱

- غصہ عقلوں کو برباد اور ''راہِ حق'' سے دور کر دینے والی چیز ہے۔

غرالحکم ج ا ص ۱۹۸، خواہشیں ص ۸۸

# ''خزانۂ علم ومعرفت''

''علم''.....طویل راہِ توفیق کا راہنما'

''معرفت''.....اس راہِ مستقیم کی مقدس ترین منزل ہے!

..صدیوں پہلے اس ''علم ومعرفت'' کے خزانے جہاں یکجا ہوگئے تھے اُس مجسمہ اخلاق کو آج ہم ''مدینة العلم'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔رسول مقبولؐ کی حدیث کہ''انامدینة العلم و علیؑ با بھا ''اُمت مسلمہ کے لیے.....یقیناً باعثِ اِفتخار ہے کہ اس کا فیض امت کے لیے عام تھا...مگر! اِس سچائی سے بھی منہ نہیں موڑا جاسکتا کہ اِس حدیث مُصطفوی یعنی''انامدینة العلم و علیؑ با بھا ''پروہ توجہ مرکوز نہیں کی گئی جو اس کا حق تھا۔ اور اِس کا نقصان یہ ہوا کہ ملت اسلامیہ نہ تو ''علم ومعرفت'' کے خزانوں سے پوری طرح فیضیاب ہوسکی نہ اِن خزانوں پر اس کا اقتدار قائم رہ سکا....اور آج یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ دنیائے اسلام اگر رسولؐ مقبول کی حدیث کی اہمیت کو پیش نظر رکھتی اور وقت رہتے اِس حدیث کے مفہوم کو سمجھ لیتی تو آج اِس ملت کا ہر ہر فرد اُس عزت وتوقیر کا حقدار ہوتا جس کے لیے پیغمبر اسلام نے انہیں دعوت دی تھی، عالم اسلام آج اُس شان وشوکت کا حامل ہوتا جو اِس کا فطری تقاضہ ہے!

دنیائے اسلام نے.....بعداز رحلت رسولِؐ مقبول بہت تھوڑی مدت میں یہ بُھلا دیا کہ رسولؐ اسلام کی تبلیغ کا مقصد جنگی فتوحات، عالیشان اور زرکار محلات یا شاہانہ قصروں کی بنیادیں قائم کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے عین برعکس اسلام کی عظمت حضرت محمدؐ مصطفٰےؐ کے بہترین اخلاق سے پہنچوائی گئی تھی اور اس کی پائیداری کو قرانی آیات اور احکام الٰہی کے

وسیلے سے مستحکم کرنا پیش نظر تھا!

.... یہاں تفرقہ پردازی، بغض وعناد، خوں ریزی اور جنگ و جدال سے برأت مقصود تھی... علم حکمت کی راہوں کو استوار کرنا اور ان راہوں کو منور کرنا مطلوب تھا!

رسولؐ اسلام کی تعلیمات... اور اِن تعلیمات کے زیر اثر آپ کے اہلبیتؑ اطہار کا اِس بیش بہا ''خزانۂ علم ومعرفت'' کو قائم رکھنے کے لیے اِس حد تک سعی کرنا کہ اِس راہ میں کسی مشکل کو مشکل نہ سمجھنا' ہر عملی اور امکانی قربانی پیش کر دینا... اگر ایک طرف خود رسولؐ مقبول اور ان کے اہلبیت کی عظمتوں اور اُن کی اعلیٰ نسبی کی دلیل ہے تو... دوسری طرف نسل انسانی کے لیے ''علم ومعرفت'' اور ''حصول علم و آگہی'' کی مسلسل کوششوں کے توسط سے اللہ رسولؐ کی اطاعت کا حق ادا کرنے کی کھلی دعوت ہے۔

مذہب اسلام ایک ایسا رہنمائے زندگی ہے جو انسان کو اُس کی بڑھتی عمر کے دوران تزکیۂ نفس تعلق باللہ' خدمت خلق اور حصول علم وحکمت سے لے کر اخلاق و بردباری اور ہر طرح کے نیک افعال کی صلاحیتوں کے ساتھ ایک بامعنی اور باعمل زندگی گزارنے کی تلقین کرتا ہے۔مثال کے طور پر:

اگر ہم ''تعلق باللہ'' کی سعی کے ساتھ تزکیۂ نفس کر سکیں تو اِس صورت میں عقل ہمیشہ ''خواہشات نفسانی'' پر غالب رہے گی اور یہ عمل نفس انسانی کو ''نفس مُطمئنہ'' کی عظمتوں سے روشناس کروادے گا۔

اسی طرح خدمت خلق اگر حصول علم وحکمت کی رعنائیوں کے ساتھ کی جائے تو ''ذوی القربا والیتمیٰ و المسٰکین و ابن السبیل''۔کی حکمتِ عملی امت مسلمہ کی یکجہتی اور اس امت کے تمام خاندانوں کی ہم آہنگی اور مضبوطی کا نایاب ترین وسیلہ ہی نہیں ضمانت بن جائے گی!

اور جہاں یہ خوبیاں پیدا ہو جائیں ''بردباری'' یقیناً اُس گھر کی کنیزی میں فخر محسوس

کرے گی۔ اخلاق کے سرچشمے بس وہیں سے پھوٹیں گے۔ اور یہی ہیں تعلیمات اِسلامی!

رسول اسلام مجسمۂ اخلاق تھے، محافظ احکام الٰہی تھے۔ اس قدر بلند مرتبت اور ایسے عظیم الشان پیغمبر الٰہی سے براہِ راست تربیت یافتہ حضرت علی علیہ السلام کی علمی اور عملی کار گزاریوں کا لاثانی اور بے مثال ہونا تقاضہ فطرت ہے۔ اسلامی تعلیمات کی گہما گہمی سے سرشار اِس عظیم خانوادے کی وہ میراث جو انسان کو کامل اور معاشرے کو پاکیزہ بنا دینے کا منشور ہے تمام دیگر کتابوں کے ساتھ ''نہج البلاغہ'' جیسی قابل قدر کتاب میں آج بھی موجود ہے۔ اور یہ وہی مایہ ناز کتاب ہے جس کی عظمتوں کا اعتراف نسیم امروہوی صاحب نے ''زبور آل محمد'' یعنی صحیفہ کاملہ کے صفحوں پر اس انداز سے کیا ہے کہ:

''نہج البلاغہ قرآنِ پاک کے بعد ملت اسلامیہ کی روحانی تطہیر اور عقلی تنویر کا ذریعہ رہی ہے''

بے شک یہ ایک حقیقت ہے! مگر... جہاں تک دنیائے اسلام بلکہ عالم انسانیت کی افضل ترین کتاب یعنی کلام پاک کا تعلق ہے کہتے ہیں یہ کتاب دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی مگر سب سے کم سمجھی جانے والی کتاب ہے۔

---

نوٹ: نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کے اقوال، نصیحتوں، خطوط اور تحریروں کا وہ گرانقدر مجموعہ ہے جسے ملت اسلامیہ کے مفسر، فقیہ اور ممتاز عالم سید رضی صاحب نے چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں یکجا کیا۔ اُنہوں نے نہج البلاغہ کو تین حصوں میں بانٹا ہے۔ وعظ (Sermon) خطوط (Letters) اور اقوال (Sayings) اور اس کتاب میں 338 موعظے اور اقوال شامل کئے گئے ہیں جو سینکڑوں میں سے چنے گئے ہیں۔

اس بیش قیمتی سرمایہ علم پر حضرت کی زندگی میں کام شروع ہو گیا تھا اور سید رضی صاحب کی جمع کردہ ''نہج البلاغہ'' سے پہلے تقریباً ستر عالم، مفسر اور دیگر فقہاء نے حضرت علیؑ کی تحریروں، تقریروں اور مقالوں کو اکٹھا کیا۔

اور بس! اِسی طرح ''نہج البلاغہ'' جسے روحانی تطہیر اور عقلی تنویر کا ذریعہ سمجھا گیا ہے یا تو کتب خانوں کی زینت ہے یا کچھ باشعور، بالغ النظر اور مخصوص حضرات تک محدود ایک بیش بہا تحریر ایک قابل صد احترام کتاب ہے۔

پرانے وقتوں سے کہیں زیادہ... آج اِس مادی ترقی کی بھاگ دوڑ میں اِس ''روحانی تطہیر'' اور ''عقلی تنویر'' کے بنیادی اصولوں کی گہرائی کو سمجھنا، سمجھانا تمام اہل نظر کی ذمہ داری ہے اور اس کو عام کرنا تقاضہ فطری اور فریضہ منصبی ہے۔ یہ تحریر بس ایسی ہی ایک کوشش ہے جس کے لیے فی الوقت ''بنیاد بعثت'' کے زیر اہتمام Education Board of Foundation of Nahjul Balagha, IRAN کے ذریعے چھاپی گئی ایک مختصر مگر بڑی بامقصد کتاب Excerpts from Nahjul Balagha کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اِس کتاب میں (خصوصاً طالب علموں اور نوجوانوں کے واسطے) میعاری شخصیت اور خوش آئند زندگی کے لیے تعمیراتی اہلیت اور صلاحیتوں کے زرین اصولوں پر مبنی مولا علیؑ کے اقوال اور ان کی نصیحتوں کے انگریزی ترجمے معہ تشریح پیش کئے گئے ہیں۔

آیئے ''بنیاد بعثت'' کے انتہائی شکریہ کے ساتھ اُن کے ذریعہ انگریزی زبان میں پیش کئے گئے اِن اقوال اور افکار کے اردو ترجمے اور تشریح کے خلاصوں کی ایک چھوٹی سی جھلک سے اندازہ کریں کہ نہج البلاغہ کس قدر مفید اور کس قدر قابل احترام کتاب ہے۔

''بنیاد بعثت'' کی اس اشاعت میں 55 اقوال اور نصیحتیں زیرِ تحریر آئی ہیں جن میں سے اس تحریر میں صرف پندرہ معہ ''خلاصہ تشریحات'' اور چھ دیگر نکات بلا تشریح بہ زبانِ اردو شامل کئے جا رہے ہیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ثبوتِ وحدانیت:

**اگر آپ کے پروردگار کا کوئی ساتھی ہوتا تو اس نے**

**بھی آپ تک پیغمبر برائے رہنمائی بھیجے ہوتے ...........L:31**

خلاصہ تشریح: خلقت اِنسانی کوزمیں پر بھیجے صدیاں گزر جانے اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر انسان کی رہنمائی کے لیے (خدا کی طرف سے) بھیجے جانے کے باوجود ان میں (یا اِن سے الگ) کوئی ایسا نفس نہیں پایا جاتا جو یہ کہے کہ اُسے اللہ کے علاوہ کسی اور نے بھیجا ہے۔

اور یہ ایک صاف اور واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اللہ ایک ہے اور سارے پیغمبروں نے بس اُسی پر یقین رکھنے اور اُسی کی عبادت کرنے کی تلقین کی۔

(۲) مادی زندگی اور ثبوتِ حیاتِ جاودانی:

**مجھے تعجب ہوتا ہے ایسے شخص پر جو اِس دنیاوی زندگی کے مشاہدات کے باوجود آگے آنے والی زندگی کی سچائی سمجھنے سے قاصر ہے ......... S:26**

خلاصہ تشریح: ایک ذی شعور شخص اگر دُنیاوی زندگی کا بغور مطالعہ کرے تو اُسے اللہ کی تخلیقاتی قوتوں کا اپنے آپ اندازہ ہو جائے گا۔ اور اگر کوئی اللہ کی تخلیقی قوتوں اور طاقت کی وسعتوں کا گہرائی سے مطالعہ کرے اور حقیقتوں کی تہہ تک پہونچ سکے تو وہ کبھی بھی اس حقیقت سے منہ نہیں پھیر سکتا کہ اِس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد کی زندگی ایک سچائی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ پروردگار نے ہمیں مٹی سے پیدا کیا اور وہ قادر مطلق ہے۔ ہماری

ظاہری حیات ختم ہونے کے بعد یہ مادی جسم ایک مٹھی مشتِ غبار رہ جائے گا وہ خالق یقیناً قدرت رکھتا ہے کہ اِسی مٹی سے دوبارہ ہمیں پیدا کر دے یقیناً اور یقیناً گروہ انسانی جمع کئے جائیں اپنی سابقہ زندگی کا حساب دینے کے لیے!

## (۳) قران کریم کی افضلیت:

**پچھلی نسلوں کے حقائق ، آئندہ آنے والی نسلوں کی پیشن گوئی اور موجودہ نسل کے معاملات کے لیے اصول و ضوابط سبھی کچھ اِس کتاب میں موجود ہیں**..........S:71

خلاصہ تشریح: اول یہ کہ انسان کو اپنی پچھلی نسلوں کے بارے میں جاننا چاہیئے کہ وہ کس طرح جیئے اور اُن سے پہلے والوں کے نصیب کیسے تھے۔ دوسرے یہ کہ انسان کو اس دنیا میں آئندہ آنے والی نسلوں کی نوعیت اور ان کے توقعات اور امیدوں کا اندازہ ہونا چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ انسان کو خود اپنی موجودہ زندگی کی تنظیم کا شعور ہونا چاہیئے، اُسے گذرے لوگوں کے تجربات اور آنے والی نسلوں کے توقعات کے علم کے ساتھ موجودہ حالات میں مناسب راہ کا انتخاب کرنا چاہیے تا کہ وہ راہ نجات کی روش پر گامزن رہ سکے۔

کلام پاک امت مسلمہ کے واسطے اللہ تعالیٰ کے الفاظ اور آیتوں سے مزین ایک پر نور کتاب کی تخلیق ہے۔ اس کتاب نے انسان کی تمام تر ضروریات کو پورا کیا ہے.... یقیناً اور بغیر کسی شک اور شبہ کے!

اگر ہم با مقصد اور خوشحال زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہم کو قرآن کا مطالعہ بغور اور بہ احتیاط کرنا چاہیئے، تا کہ ہم اس کے بیش قیمتی مضامین اور احکام کو بخوبی سمجھ سکیں اور اپنے طرز زندگی کو ان احکام کے ذریعے اعلیٰ ترین اور مثالی بنا دیں۔

(۴) گناہوں سے بچیں:

**خداوند عالم نے اگر اپنی مخلوق کے دلوں میں اُس کی حکم عدولی اور گناھوں کے مرتکب ھونے کا ڈر پیدا نہ کیا ھوتا تب بھی انسان کو لازم تھاکہ گناھوں سے بچے اور معبود برحق کا شکر ادا کرتا رھے اُس کی رحمتوں کی حُصولیابی کے لیے** ...... S:290

خلاصۂ تشریح: ایک وہ شخص جو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے اور احکام خداوندی کو نظر انداز کرتا ہے دراصل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو برباد کر رہا ہے اس لیے کہ اُسے اِس ارتکاب گناہ کے لیے اپنے اعضاء اور جوارح سے مشقت کروانی پڑے گی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انسان کو یہ طاقتیں اور یہ خوبیاں اِس طرح اپنی حکم عدولی کے واسطے عطا نہیں کی تھیں!

یقیناً اللہ اپنے بندوں کی صرف اور صرف بھلائی چاہتا ہے!

(۵) تنہائی میں اور چھپ کر گناہ نہ کرو:

**اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حکم عدولی سے اور گناہ سے تنھائی اور خلوت میں بھی سخت پرھیز کرو' کہ وہ (یعنی قادر مطلق) تمھارے گناہ کو دیکھ رھا ھے اور وھی تو حساب لینے والا ھے** .......... S:324

خلاصۂ تشریح: کچھ کوتاہ نظر اپنی کم علمی کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ خلوت میں اور چھپ کر ارتکابِ گناہ کرتے ہیں، ایسے کہ انہیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہے اس لیے کچھ نہیں ہوگا۔ مگر انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ اپنے بندوں کے ہر عمل پر نظر رکھنے والا ہے خواہ انسان

تنہائی میں گناہ کرے یا چھپ کر گناہ کرے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ وہ جو خلوت میں اور چھپ کر گناہ کرتے ہیں اُن کی مثال اُس شخص کی ہے جو پانی کے جہاز کے ایک کمرے میں چھپ کر اس کے فرش میں چھید کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کے اِس غلط عمل کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے مگر یقیناً جلدی ہی یہ شخص اپنے اِس ناقص عمل کی سزا بھگتنے والا ہے اور اتنا ہی نہیں اس کی یہ غلطی جہاز کے دوسرے ساتھیوں کے لیے بھی مصیبتوں کی دعوت اور نقصان کا سبب ہے۔ اس طرح اس شخص کو چھپ چھپ کر گناہ کرنے کی سزا تو ملے گی ہی۔ اس کا نقصان کسی نہ کسی طریقے سے پورے سماج کو اٹھانا پڑے گا۔

(۶) صلاح اور مشورے کی قدر کرو:

**اُن لوگوں کی قربت اختیار نہ کرو جو صلاح نہیں مانتے تاوقتے کہ اُن کو مصیبتیں گھیر لیں**...............L:31

خلاصۂ تشریح: ایک بالغ النظر اور سمجھ دار آدمی صلاح مانتا ہے۔ وہ تو چوپائے ہیں کہ نہ کہنا سننے والے ہیں اور نہ ہی صحیح راہ پر چلیں گے تاوقتیکہ کوڑے برسائے جائیں!

انسان کو پروردگار عالم نے اشرف المخلوقات بنایا اور اُسے تمام مخلوق سے اوپر رکھا ہے اسی لیے انسان اور جانور میں یہ فرق پیدا ہوا کہ عقلمند نصیحت اور صلاح سن کر فیصلہ کرتا ہے جب کہ جانور صحیح راہ اختیار نہیں کرتا جب تک کہ یا تو اپنے جھنڈ میں جا رہا ہو یا کوڑے برسائے جا رہے ہوں۔

(۷) خود پسندی کے نقصانات:

**ایک خود پسند آدمی آخرش برباد ہو جائے گا۔ ایک وہ**

**شخص جو مناسب اور معقول دانشور سے صلاح مشورہ کرتا ہے در اصل اُس کی سوجھ بوجھ اور اسکی دانشوری سے فائیدہ اٹھاتا ہے ........S:161**

خلاصہ تشریح: وہ کہ جو ہمیشہ یہ سمجھتا رہتا ہے کہ بس اس کی بات صحیح ہے اور ہمیشہ دوسروں کے نظریات سے چشم پوشی کرتا ہے اور دوسروں کے خیالات پر توجہ نہیں دیتا ہے دوسروں کے مقابلے خود زیادہ نقصان میں ہے کہ کوئی بھی "شخص واحد" تمام مشکلوں اور ہر قسم کے مسئلے کا صحیح حل اکیلے نہیں نکال سکتا۔ ایک شخص بہت ذہین اور حد درجہ عقلمند ہو، تاہم ایسے معاملات درپیش ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں یہ بالکل کورا ہو یا بس کچھ تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہو!

ایسے معاملات میں ایسا خود پسند جو دوسروں کے خیالات اور مشورے قبول نہیں کرسکتا اِن مسائل کو حل کرنے میں غلطی کرسکتا ہے اور نہ صرف اپنی بلکہ اپنے اطراف کے دوسروں کی مشکلوں میں اضافہ یہاں تک کہ جان کے خطرے مول لے سکتا ہے۔ یہ بات کس قدر غور طلب ہے کہ جب ہمارے پاس ایک ایسا بھاری بوجھ ہوتا ہے کہ جسے ہم تنہا نہ اٹھا سکیں، تو ہم فوراً قوی بازو اور اِس وزن کو اٹھا سکنے والے لوگوں سے مدد لیتے ہیں۔ اس طرح ہم ان کے قوت بازو کی طاقت اس بوجھ کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ اور وہ اپنی قوت بازو کا کچھ حصہ اس کام میں لگاتے ہیں ٹھیک اسی طرح ذہنی الجھن اور کسی مسئلے کے حل کرنے میں دشواری ہو تو ایسے میں صحیح سوجھ بوجھ والے دانشوروں کی ذہانت کو استعمال کرکے اُن کی ذہانت کا فائیدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۸) موقع گنوا دینا

**موقع گنوا دینا ہے باعث رنج ہوتا ہے ..................S:18**

خلاصۂ تشریح: حیات انسانی مختصر ہے۔ اور ہاتھ آنے والے مواقع اس سے بھی کم۔ گزرتے دنوں کے ساتھ یہ مواقع اور بھی کم ہوتے جاتے ہیں۔ کوئی موقع دوبارہ دستک نہیں دیتا اس لیے ہمیں جو موقع میسر آتا ہے اُس کا فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اِن مواقع کے ساتھ ''وقت'' کی الگ اپنی اہمیت ہے... اگر ہم ''وقت برباد کرتے ہیں''، تو وہ لوٹ کر نہیں آنے والا۔ کل... ہمارے لیے دوسرے کام ہیں جن کو پورا کرنا ہوگا۔ اگر ہم آج کے کام کل پر چھوڑ دیں گے... تو ہم آنے والے دنوں کے نئے مواقع کا فائیدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ اس لیے ہر کام کو ''اس کے وقت کے اندر'' کر دینا چاہیئے ورنہ بعد میں اس کے لیے مہلت نہیں ملے گی۔ مثال کے طور پر بچپن اور نوجوانی کی تعلیم... اور حصول علم کے ذریعے، ذہانت کے فروغ کے لیے ہوتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص یہ موقع گنوا دیتا ہے تو آئندہ کے برسوں میں وہ اِسے حاصل نہیں کر سکتا کہ اب روزی کمانا اور اپنے خاندانی معاملات کو سنبھالنے کی ذمہ داری اُس پر آ گئی۔

اِس لیے یہ ضروری ہے کہ مواقع ملیں تو انہیں ہاتھ سے نہ جانیں دیں، اِن کا بہتر استعمال کریں، بہ صورت دیگر... ''یہ ایک نا قابل تلافی نقصان ثابت ہوگا۔''

### (۹) دوست اور پڑوسی کا انتخاب:

**اپنی منزل مقصود کا راستہ دریافت کرنے کے ساتھ معلوم کرو کہ اس راہ پر تمہارے ساتھ کون ہم سفر ہوگا۔ اور رہائش گاہ کا انتخاب کرنے سے پہلے پوچھو کہ پڑوسی کیسے ہیں**.......... L:31

خلاصۂ تشریح: کسی امام کے قول پر مبنی فارسی زبان میں ایک کہاوت بڑی مشہور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تم مجھے اپنے دوست کے بارے میں بتاؤ اور میں تم کو بتا دونگا کہ تم کس قسم کے

آدمی ہو"

حضرت علیؑ نے اپنے ایک قول کے ذریعے آگاہ کیا ہے کہ دوران سفر بُرے ہم سفر اور ساتھی سے دور رہو اور اسی طرح مکان کا انتخاب کرتے وقت بھی بدنام اور بے توقیر آدمیوں کے پڑوس سے اجتناب کرو۔ سفر میں ایسے برے ساتھی اور قرب میں ایسے پڑوسی جو خود اپنے آپ کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں، ان کی صحبت دوسروں کے لیے سوہانِ روح ہوتی ہے۔ ایسی سنگت روحِ انسانی کو مجروح کردیتی ہے اور آخر کار بد بختیوں پر آمادہ۔

(۱۰) دوستی اور عقل:

**دوستی اور مہربانی نصف شعور اور دانشوری کی علامت ہے** ..........S:142

خلاصہ تشریح: ایک دانشور انسان احمق سے بہت مختلف ہوتا ہے لیکن یہ فرق ہر وقت نہیں محسوس کیا جاسکتا۔ مگر کچھ خاص مواقع پر دانشور کی عقلمندی اور بیوقوف کی حماقت عیاں ہو ہی جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ کون بیوقوف ہے، کون عقلمند ہے۔

ایک بیوقوف دوست کی اہمیت اور مہربانی کی قدر و قیمت سے ناواقف ہوتا ہے اور اس سبب اپنے دل میں دوسروں کی محبت کو جگہ دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ جب کہ ایک عقلمند اپنی دانشوری کے سبب دوستی اور مہربانی کی قدر و قیمت سے خوب واقف ہوتا ہے اور کئی دوست بناتا ہے اور اُن کے ساتھ مہربانی کے ساتھ پیش آتا ہے۔

اس طرح ایک دانشور اور احمق کے بیچ فرق کرنا آسان ہے کہ کون اچھے دوست بناتا اور اُن کے ساتھ مہربانی کے سلوک قائم رکھتا ہے اور کون ہے جو مہربانی اور شفقت کے ساتھ اپنے دل کے دروازے کھولنا ہی نہیں چاہتا۔

چونکہ لوگوں کے ساتھ دوستی اور مہربانی کا سلوک عقلمندی کی علامت ہے، حضرت علیؑ اِسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص دوست بناتا اور مہربانی سے پیش آتا ہے تو یہ اُس کی نصف دانشوری کی علامت ہوتی ہے۔

(۱۰/۱) دوستیاں جن سے اجتناب لازم ہے:

☆ **تمھیں کسی بیوقوف سے دوستی نہیں کرنا چاهیے که وہ تمھیں فائدہ پھونچانے کا ارادہ رکھتا ھو مگر نقصان پھونچادے۔**

☆ **تمھیں کسی کنجوس سے دوستی نہیں کرنی چاھیئے که وہ اس وقت بھاگ کھڑا ھوگا جب تمھیں اس کی سخت ضرورت ھو۔**

☆ **تمھیں گناہ گاروں سے دوستی نہیں کرناچاهیے که وہ تمھیں کوڑیوں کے مول بیچ ڈالیں گے۔**

☆ **تمھیں جھوٹے کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاھیئے که وہ تمھیں سراب کی مانند قریب کی چیزوں کو دور اور دور کی چیزوں کو قریب ھونے کا احساس اور یقین دلاتا رھے گا**............S:38

(۱۱) دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ میانہ روی:

**دوسروں کے ساتھ دوستی بڑھانے میں حد سے نه گزر جاؤ که کبھی وہ تمھارے دشمن نکلیں۔ اسی طرح اپنے**

**دشمنوں کے ساتھ میانہ روی رکھو ممکن ہے کہ کل کو وہ تمہارے دوست بن جائیں** ............S:268

خلاصۂ تشریح: دوستی اور دشمنی دونوں ہی میں تمام دوسرے امور کی طرح میانہ روی اختیار کرنا ہی بہتر ہے اس لیے کہ حد سے زیادہ دوستی اور حد سے زیادہ دشمنی دونوں ہی ناقابل تلافی نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

اپنی دوستی کے دوران حدوں سے اتنا آگے نہ بڑھو کہ تمہارا دوست تمہاری نجی زندگی کے حالات سے واقف ہو جائے کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ کسی وقت خیالات کی نا اتفاقی کے سبب وہ تمہارا دشمن بن جائے اور ایسی صورت میں تمہارے راز جاننے کی وجہ سے تمہیں بدنام کرے، پریشانیوں میں ڈال دے۔

دشمنوں کے ساتھ سلوک میں میانہ روی رکھو یعنی اُس کے پیٹھ پیچھے نہ بدزبانی کی حدیں گزارو اور نہ اُسے بے انتہا پریشان کرو ہو سکتا ہے کہ کل وہ تمہارا بھروسے لائق ساتھی بن جائے۔

## (۱۲) احمق کی زبان اور عاقل:

**ایک عاقل کی زبان اس کے دل (جذبات) کے پیچھے اور بیوقوف کا دل اس کی زبان کے آگے ہوتا ہے** ............S:40

خلاصۂ تشریح: جب ایک عاقل زبان کھولنا چاہتا ہے تو کسی بات کو بولنے سے پہلے اپنے دل (مرکز جذبات) اور ذہن میں اپنے خیالات کے منفی اور مثبت اثرات کا اندازہ کر لیتا ہے وہ بات کہنے سے پہلے اس کے دور رس نتائج بھانپ لیتا ہے۔ اور اپنے الفاظ اور خیالات کی صحت کے اطمینان کے بعد ہی اپنی زبان کھولتا ہے۔ اس طرح عاقل اپنے قلب و ذہن کا استعمال زبان کھولنے سے پہلے کرتا ہے۔

بیوقوف! بہر حال اس کے برعکس ہے وہ جو کچھ زبان پر آ جائے بغیر سوچے سمجھے بول دیتا ہے۔ اور جب اس کے اِن الفاظ سے دوسروں پر غلط اثرات مرتب ہوتے ہیں تب وہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے کہ کیا اس کے الفاظ مناسب نہیں تھے۔ وہ پہلے تو جوش میں یا بدحواسی میں کچھ بھی بول دیتا ہے بعد میں دل اور ذہن کا استعمال کرتا ہے اس فکر میں کہ اس کے نتائج صحیح ہوں گے یا غلط!

اِسی لیے یہ پرانی کہاوت یاد رکھنا چاہے کہ... ''ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالو جس کے بارے میں پوری طرح غور نہ کر لیا ہو''

(۱۳) ہمارے کرموں کا پھل:

**اعمال دو طرح کے ہیں اور اِن میں کس قدر نمایاں فرق ہے، ایک عمل وہ ہے جس کا مزہ ختم ہوجاتاہے، صرف تلخی باقی رہ جاتی ہے،**

**ایک دوسرا عمل ہے جس کی صعوبتیں اور تکلیفات تو ختم ہوجاتیں ہیں۔ مگر... یہ عمل انعام و اکرام کا مستحق بناتا اور دلواتا ہے** ..........S:121

خلاصۂ تشریح: حضرت علیؑ نے اِن دونوں اعمال کے درمیان نمایاں فرق کو سمجھنے کی تاکید فرمائی ہے اور آگاہ کیا ہے کہ انسان کو سطحی لذتوں کے بہکاوے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اچھے برے سبھی اعمال وقتی ہوتے ہیں۔ یہ بھلا بھی دئے جائیں مگر اِن کے اثرات مٹائے نہیں جا سکتے۔

ہم اپنے دوستوں، ساتھیوں اور عزیزوں میں اس فرق کو نمایاں دیکھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طالب علم جو کاہلی، کھیل کود اور مزہ کرنے میں وقت برباد کرتا ہے امتحان

کے بعد اِسے ''ناکامیابی'' کا تمغہ تھما دیا جائے گا۔ اور نتیجتاً اس کو آگے پھر وہی ایک سال کی مشقت کا بار اٹھانا پڑے گا۔

ایک دوسرا طالب علم جو دیانتداری سے اپنا تعلیمی بوجھ اٹھاتا ہے، مشقت کرتا ہے، اسے یہ علمی دولت وقتی اور دائمی دونوں ہی طرح کے انعامات سے نواز دے گی۔ علم ترقی کی راہیں کھولتا ہے، ہموار کرتا ہے اور طلباء کے لیے قابل تعریف اور مایہ ناز نتائج مہیا کرتا ہے جو زندگی بھر ساتھ رہتے ہیں۔

ساری خوشیاں اور تمام تکلیفیں وقتی ہیں اور بس ایک مدت معینہ تک ہیں، چھوڑ جانے والی ہیں...مگر جو رہ جاتا ہے اور تاعمر ساتھ دیتا ہے وہ ہے انسان کے اعمال کے نتیجہ!

## (۱۴) انسانی خصوصیات

**کمزوریاں تباھی کا پیش خیمه ھیں ، کوشش اور ھمت بھادری کی علامت ھے ، پاکیزگی امارت ھے ، تحمل گناھوں سے بچتے رھنے کی ڈھال ھے ... اور الله کی مشیت کے تئیں خود سپردگی بھترین ھم نواھے** ..........S:4

خلاصۂ تشریح: وہ کہ جو روحانی اور اخلاقی کمزوریوں کی زد میں ہے ہمیشہ خطروں سے دوچار رہے گا کہ اُس میں برائی اور عیبوں سے بچنے کی سکت نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام ہمیشہ اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اِنسان اپنی اخلاقی اور روحانی کمزوری کا ازالہ کرتا رہے اور نفس کی مضبوتی اور پختگی میں معاون اور مستعد رہے۔ اس استحکام سے انسان تمام برائیوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت علیؑ نے بھی انسان کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے جو انسان کو اُسکی کمزوریوں اور خامیوں سے روبرو کرتے ہیں اور انہیں بہتر اخلاقی قوت اور روحانی بلندی کی

قدر و قیمت کا احساس دلاتے ہیں۔ امامؑ کے تجربات کے تحت ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کمزور آدمی کو بہ آسانی دھوکہ دیا جاسکتا ہے غلطیوں کا مرتکب بنایا جاسکتا ہے اور سیدھے راستے سے منحرف کیا جاسکتا ہے۔ اسے کسی کھلی دھمکی سے بھی ڈرایا جاسکتا ہے یا پھر پیسہ اور دولت یا عہدے کے لالچ میں پھنسا کر اسے کسی بات پر ان فوائد کے تیئں آمادہ کیا جاسکتا ہے جو ناجائز ہیں... مگراس کی خواہشات کے مطابق ہیں۔

دنیا میں آج بھی لوگ موجود ہیں جنہوں نے ساری زندگی عبادت گزاری اور نیک اعمال کے ساتھ بسر کی لیکن اپنی کمزوری کے باعث ایک دن یکا یک گمراہی میں پڑ گئے اور ساری زندگی کی کمائی ... بدنامی اور شرمندگی کے سبب پلک جھپکتے غارت ہوگئی۔ اسی لیے کمزوری کو زندگی کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

تحمل اور برداشت ایک قابل قدر خصوصیت ہے۔ بہادری یہ نہیں ہے کہ ایک شخص مشکلات کو دعوت دیتا ہے اور دوسروں کو بھی ان میں مبتلا کرتا رہے۔

...مرد صالح اور ایک بہادر وہ ہے جو تحمل سے کام لیتا ہے اور مشکل اوقات میں بلند کرداری کا مظہر ہوتا ہے معاملے کی نزاکت کی تہہ تک پہونچتا ہے اور بہتر حل تلاش کرتا ہے۔

## (۱۵) ہمارے اعمال کا ریکارڈ:

**انسان اِس دنیا میں جو کچھ بھی کرتاھے وہ بروز حشر اس کی نگاھوں کے سامنے ھوگا......** S:7

خلاصۂ تشریح: آج ریڈیو اور ٹیلی ویژن جو انسانوں نے بنائے ہیں اس قابل ہیں کہ آوازوں کو قید کرلیں، یہاں تک کہ ہر حرکت اور سین جو پہلے کبھی ریکارڈ کئے گئے تھے بعینہٖ دکھا سکتے ہیں۔ آج الفاظ، تقریریں، تصویریں اور حرکات برسوں بلکہ شاید ہمیشہ ہمیش اپنی

اصلی حالت میں سنبھال کر رکھے جا سکتے ہیں۔

جب ایک انسان جسے خداوند عالم نے پیدا کیا...وہ ایسی چیزیں ایجاد کر سکتا ہے تو پھر یہ سمجھنا آسان ہے کہ قادر مطلق اور خالق کل کائنات کے منشاء کے مطابق انسانی حرکات اور سکنات کا ریکارڈ کس قدر نایاب اور شفاف ہوگا۔

فرمایا حضرت علیؑ نے کہ بحکم خدا ہر انسان کا ہر عمل بہ تفصیل ریکارڈ ہوتا ہے اور بروز حشر یہ سارے اعمال اِنسان کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دئے جائیں گے اور پھر انسان خود دیکھ لے گا کہ وہ دنیا میں کیا کر کے آیا ہے۔ اور وہ خود سمجھ جائے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سزا یا جزا انسان کے اچھے یا اُس کے بُرے اعمال سے ہی دینے والا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اِس قدر بصیرت افروز اور با آسانی ذہن نشین ہو جانے والے ارشادات اور ان کی مختصر تشریحات کے بعد اب پیش ہیں نہج البلاغہ کی اسی اشاعت سے اخذ کئے گئے حضرت علی علیہ السلام کے کچھ دوسرے ارشادات، اِن پر بھی غور کریں:

☆ سب سے مجبور اور بے بس وہ ہے جو "ایسے دوست" نہیں بنا سکتا جنہیں اپنی زندگی میں بھائی کہہ سکے۔ اور اس سے بھی زیادہ "مجبور اور بے بس" وہ ہے جس نے ایک بھائی بنایا تو... مگر کھو دیا..........S:12

☆ جو کچھ تم اپنے حق میں چاہتے ہو دوسروں کے لیے بھی ویسا ہی کرو۔ اور جو کچھ اپنے لیے "پسند نہیں کرتے" دوسروں کے لیے اُسے "ناپسند" کرو.........1:31

☆ انسان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ دوسروں کو "ان خامیوں پر ٹوکے" جو خود اس میں موجود ہیں.......S:353

☆ جو غلطی کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں دوہرے عذاب کے حق دار ہیں۔ ایک تو غلط کا ساتھ دینے کے سبب...اور دوسرے اُس کی غلط کاری سے چشم پوشی کے

سبب.........S:154

☆ غیبت کے معنی کسی شخص کے خلاف اِس کی غیر موجودگی میں بات کرنا اور عموماً ناپسندیدگی سے۔ حضرت علیؑ کے مطابق... اللہ کی نظر میں یہ ایک بدترین عمل ہے۔

..........S:461

☆ ''وہ دولت'' ہرگز برباد نہیں ہوئی جس کے سبب اِنسان نے کچھ سیکھ لیا......S:46

یہ تھے خانوادۂ رسالت کی ایک اہم ترین فرد حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے چند اقوال جو بلا کسی تمہید یا تشریح اُن حضرات کی ذہانتوں کی نذر ہیں جنہیں یہ خانوادہ بہت عزیز ہے۔

آیئے کچھ توقف کریں اور دیکھیں کہ کیا ہم نہج البلاغہ سے اخذ کی گئی ''نصیحتوں اور اقوال'' کی اِس کسوٹی پر کھرے اتر سکتے ہیں.... شاید نہیں! اور اِس نفی کی وجہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ صلاحیتیں موجود نہیں ہیں۔ کمی شاید توجہ کی ہے کوشش کم ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ بغیر کوشش اور تدبیر دُعائیں بھی کارگر نہیں ہوتیں۔ یاد رکھیں:

ظہور امام کی دُعائیں کرتے رہنا.......

اور اُن کے انصار میں ''شمولیت کے قابل بننے کی کوشش کرنا''........ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس لیے کہ عقیدت مند ہونا کافی نہیں ہے اگر عمل کی توفیق نہ ہو۔

ہاں اگر! تفکر فی القران کی پاکیزگی، نہج البلاغہ کے انکشافات اور ائمہ معصومینؑ کی دُعاؤں کے طفیل، ہماری مُسلسل کوششیں، مناسب تدبیریں اور حوصلہ ہمیں وہ بصیرت عطا کردے جس کا اہل بنا کر رب العالمین نے ہمیں اُمتِ رسولؐ میں پیدا کیا تھا...... تو پھر وہ رحمتیں جو خالقِ کونین کی بارگاہ سے دن رات اور متواتر ''توفیق'' کی شکل میں نازل ہوتی رہتی ہیں، اِن کا حق دار بھی اُمتِ مسلمہ کے اِن دیں داروں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا!

یاد رکھیں! ''توفیقاتِ الٰہی سے سرشار'' اعلیٰ ترین نظام زندگی کے ساتھ ''ایک مثالی

اُمت''، پیغمبرِ اسلام کی اولین ترجیح رہی ہے۔ اِس پر کھرا اترنا ہر فرد کی اپنی ذمہ داری ہے۔

اپنی کوششوں اور تدبیروں سے ہم اس توفیق کے سچے حقدار،

پیغمبرِ اسلام کی ترجیحات کے آئینہ دار......

اور اہلبیتِ اطہارؑ کی افکارِ عالیہ کے علم بردار بن جائیں'

..........پروردگارِ عالم سے یہی ہماری دعاء ہے۔

احقر العباد

سید اطہر سجاد عابدی

نئی دہلی

1.10.2009.

• دعاء اور توفیق:

دعاء عبد و معبود کے درمیان براہِ راست تعلق کا ذریعہ ہے۔

ایک روحانی رابطہ ہے۔

مگر یاد رکھیں!

یہ قربت رہینِ منت ہے ''کمالِ اخلاق'' کی..... '' توفیق کی''

''توفیق'' نتیجہ ہے کوششوں کا اور ''حصول توفیق'' ثمر ہے اعمال کا۔ طرزِ زندگانی کا!

• خیرالعمل:

یہ ایک انتہائی اہم جز ہے ''تکمیل مقصد حیات انسانی'' کا' جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس نظام ولایت میں ضم کر سکتا ہے جس کے تحت کائنات الٰہی اپنا سفر ارتقا پورا کر رہی ہے!!

• حصول علم:

وہ خالق کائنات جس نے فقط ایک لفظ ''کن'' سے اس خاکدان عالم کی تخلیق فرمادی'

بس! اسی خالق و مالک ارض وسما نے اپنی کتاب محکم اور ہمارے لیے ''دستور العمل''

کی اعلیٰ ترین کتاب یعنی کلام پاک کے ذریعے حکم دیا کہ:

''اقراء''..... یعنی پڑھو!!!

اسی کتاب سے.....................!